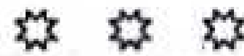
صائمہ اکرم چوہدری



سیاہ حاشیہ پار مت کرو۔ "پچھتاؤگی۔ ایک نادیدہ آواز روکتی رہی لیکن وہ لڑکی نہ رکی۔ سیاہ حاشیہ عبور کرگئی اور تب اسے احساس ہوا کہ اپنے لیے جہنم خرید چکی ہے۔



عدینہ کاٹھ کباڑ میں اپنی پرانی ڈائریاں تلاش کررہی ہے تو اسے ایک کتبہ ملتا ہے۔ جس پر اس کی والدہ صالحہ رفیق کی تاریخ پیدائش اور تاریخ وفات درج ہوتی ہے۔ وہ بری طرح الجھ جاتی ہے۔ اس کی والدہ تو زندہ ہیں پھر یہ کتبہ کس نے اور کیوں بنوایا ہے۔ تب ہی اس کی والدہ صالحہ آجاتی ہیں اور کہتی ہیں کہ ڈائریاں تو انہوں نے ردی والے کو دے دی ہیں۔ عدینہ کو بہت دکھ ہوتا ہے پھر اسے کتبہ یاد آتا ہے تو وہ سوچتی ہے کہ عبداللہ سے اس کے متعلق پوچھے گی۔
عبداللہ پابند صوم وصلوۃ وہ مسجد کا موذن بھی ہے اور اس نے عربی میں ایم فل کر رکھا ہے عدینہ کی اس کے ساتھ منگنی



ناولٹ

ہو چکی ہے۔ عدینہ ہاسٹل میں رہتی ہے اور میڈیکل کی تعلیم حاصل کر رہی ہے۔

عدینہ کے والد مولوی رفیق کا انتقال ہو چکا ہے۔ وہ اپنی ماں سے زیادہ دادی سے قریب ہے مونا اس کی کزن ہے۔ وہ حویلیاں شہر سے قرآن حفظ کرنے ان کے گھر آئی ہے۔

عدینہ عبداللہ سے بہت محبت کرتی ہے۔ عبداللہ بھی اسے چاہتا ہے لیکن شرعی اصولوں کے تحت زندگی گزارنے والی صالحہ آپا نے منگنی ہونے کے باوجود انہیں آپس میں بات چیت کی اجازت نہیں دی۔

شانزے ماڈل بننا چاہتی ہے۔ ریمپ پرواک کرتے ہوئے اس کا پاؤں مڑجاتا ہے اور وہ گر جاتی ہے۔

ڈاکٹر بینش نیلی کوٹھی میں اپنے بیٹے ارحم کے ساتھ رہتی ہیں۔ ان کے شوہر کرنل جاوید کا انتقال ہو چکا ہے۔

نیلی کوٹھی کے دوسرے حصے میں ان کے تایا ڈاکٹر جلال اپنی بیوی اور پوتی اورید اکے ساتھ رہتے ہیں۔ ان کی دو شادی شدہ بیٹیاں ہیں اور اکلوتا بیٹا تیمور لندن میں مقیم ہے۔ بیوی کی وفات کے بعد تیمور نے اورید اکو پاکستان اپنے باپ کے پاس بھجوادیا ہے۔ بیٹا ماہیران کے پاس لندن میں ہے۔

اوریدا اور ارحم کی بہت دوستی ہے جو ڈاکٹر بینش کو بالکل پسند نہیں۔ ڈاکٹر بینش تیمور کے نام سے بھی نفرت کرتی ہیں۔

عبداللہ عدینہ کو اپنا سیل نمبر بھجواتا ہے۔ صالحہ آپا دیکھ لیتی ہیں۔ وہ شدید غصہ ہوتی ہیں اور نمبر پھاڑ کر پھینک دیتی ہیں۔

سرمد اپنے دوست کے پروڈکشن ہاؤس میں جاتا ہے تو وہاں شانزے کو دیکھتا ہے۔ شانزے اس کی منتیں کر رہی ہے کہ وہ ایک چانس اسے دے کر دیکھے۔

شانزے سخت مایوسی کا شکار ہے۔ رباب اس کی روم میٹ اسے تسلی دیتی ہے تو وہ بتاتی ہے کہ اس کا دنیا میں کوئی نہیں ہے صرف ایک پھوپھی ہیں جن کے گھر میں اسے کوئی پسند نہیں کرتا۔ اس کی ماں اسے پھینک کر چلی گئی تھی اور باپ کو

کسی مذہبی جنونی نے قتل کردیا۔ شانزے کا خاندان مسلمان ہے لیکن وہ کسی مذہب کو نہیں مانتی۔ ہاسٹل میں رہنے کے لیے اس نے کالج میں داخلہ لے رکھا ہے۔ وہ شوبز میں اپنا نام بنانا چاہتی ہے۔
آپا صالحہ نے عدینہ کی عبداللہ سے منگنی توڑ دی ہے۔ عبداللہ عدینہ سے ایک بار بات کرنا چاہتا ہے۔ عدینہ چھت پر جاتی ہے تو عبداللہ وہاں آجاتا ہے۔ آپا دیکھ لیتی ہیں۔ وہ عدینہ کو برا بھلا کہتی ہیں اور اللہ کے عذاب سے ڈراتی ہیں۔
اوریدا ارصم کے ساتھ پیپر دینے جاتی ہے۔ ارصم باہر اس کا انتظار کرتا ہے۔ وہ اوریدا کو واپس لے کر آتا ہے تو ڈاکٹر بینش اسے بہت ڈانٹتی ہیں کیونکہ وہ ان کی گاڑی لے کر جاتا ہے۔ اوریدا اپنے باپ تیمور کو یہ بات بتاتی ہے تو وہ اس کو نئی گاڑی خرید کردے دیتے ہیں' آغاجی کو یہ بات بری لگتی ہے۔
ٹی وی پر ایک مذہبی پروگرام دیکھتے ہوئے صالحہ آپا شدید جذباتی ہو کر رونے لگتی ہیں۔ عدینہ کو اسٹور روم کی صفائی کے دوران ایک تصویر ملتی ہے جو کسی مرد کی ہے۔
ارصم اوریدا کو گاڑی چلانا سکھاتا ہے۔ اوریدا کے امتحان میں کم نمبر آتے ہیں تو وہ پریشان ہو جاتی ہے۔
مونا عدینہ کو بتاتی ہے کہ آپا نے اس کی منگنی اس لیے توڑی کہ وہ چاہتی تھیں کہ عبداللہ عدینہ سے فوراً" شادی کرلے۔ عبداللہ نے فوراً" شادی سے انکار کردیا تھا۔
عبداللہ تبلیغی دورے پر جاتا ہے تو اس کا جہاز کریش ہو جاتا ہے۔ اور اس کے مرنے کی خبر آجاتی ہے۔
عدینہ پر عبداللہ کی موت کا گہرا اثر ہوتا ہے۔ وہ اپنی ماں سے بری طرح بدظن ہو جاتی ہے۔
شانزے جب بھی کوئی غلط کام کرنا چاہتی ہے کوئی حادثہ پیش آجاتا ہے۔ رباب اسے سمجھاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے غلط راستوں سے بچانا چاہتا ہے۔
ارسل' شانزے کو زخمی ہونے پر تسلی دیتا ہے' وہ بتاتا ہے کہ ایڈ میں کام کے لیے اس نے سفارش کی تھی۔ وہ کہتا ہے کہ شانزے اسے اپنا بھائی سمجھے۔
ارصم بہت اچھے نمبروں سے ایف ایس سی کرلیتا ہے۔ ڈاکٹر بینش اس خوشی میں ڈنر دیتی ہیں۔
عدینہ فیصلہ سنا دیتی ہے کہ اسے ڈاکٹر نہیں بننا۔ یہ سنتے ہی آپا صالحہ شدید پریشان ہو جاتی ہیں۔

آٹھویں قسط

بختاور کے والدین اس خبر کو سنتے ہی اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھے تھے۔ اس کی والدہ نے اس کے کمرے کی ایک ایک چیز اُدھیڑ ڈالی تھی اور پہلی دفعہ نیلم کو احساس ہوا تھا کہ وہ جاتے ہوئے اپنی سب اہم چیزیں ساتھ لے جاچکی تھی۔ اب وہاں اس کے چند کپڑوں' پرانے جوتوں اور کتابوں کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔
نیلم خالی نظروں سے اس کی والدہ کو دیوانہ وار چیزوں کی تلاشی لیتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ وقفے وقفے سے وہ ایک سرد اور غصیلی نگاہ نیلم پر بھی ڈال لیتی تھیں۔ پورے ہوسٹل میں یہ خبر آگ کی طرح پھیل چکی تھی اور کچھ لڑکیاں اب نیلم کو بھی مشکوک نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں۔ رہی سہی کسر تو وارڈن کی تفتیش نے پوری کردی تھی۔
"دیکھو نیلم' اس کے والدین بہت اثر و رسوخ والے ہیں' تمہیں جو پتا ہے' سچ سچ بتادو۔" وارڈن کے سخت لہجے پر نیلم کی ٹانگوں سے جان نکل گئی۔
"میڈم! خدا کی قسم' اس نے مجھے یہی بتایا تھا کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ جارہی ہے۔" نیلم کی بات پر وارڈن نے کھوجتی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔
"میں جھوٹ نہیں بول رہی' آپ اردگرد کے کمروں کی لڑکیوں سے پوچھ سکتی ہیں کہ وہ دروازے پر جیٹ لگا کر گئی تھی۔" اس کے لہجے کی سچائی پر وارڈن کو یقین آہی گیا تھا۔ تب ہی ان کے لہجے میں نرمی آگئی تھی۔ انہوں نے اسے اپنے آفس میں رکھی ہوئی کرسی

پر بیٹھنے کا اشارہ کیا' ورنہ وہ پچھلے پندرہ منٹ سے ان کے سامنے ڈری سہمی کھڑی تھی۔

"لیکن یہ بات اس کے والدین کو کون سمجھائے۔؟" وہ خود بھی بختاور کے والدین کے شور مچانے پر زچ ہو چکی تھیں۔

"اس کے والدین کو یہ بات سمجھنی چاہیے' کیونکہ وہ ان کے سخت رویے کی وجہ سے ہی یہ قدم اٹھانے پر مجبور ہوئی ہے۔" نیلم کی بات پر وارڈن چونکیں۔

"نیلم! مجھے تفصیل سے بتاؤ' اصل معاملہ کیا ہے' پھر ہی میں اس مسئلے کا کوئی حل نکال سکتی ہوں۔" وہ پریشان انداز سے گویا ہوئیں۔

"دیکھیں میڈم! اس کے والدین خوامخواہ آپ کو اور مجھے پریشرائز کر رہے ہیں' انہیں کچھ نہ کچھ تو اندازہ تھا ناں' تب ہی وہ اس طرح اچانک اسے لینے آگئے تھے۔"

نیلم نے ساری داستان وارڈن کو سنادی تھی کیونکہ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔

"لو الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے' میں اب دیکھتی ہوں' وہ کیسے بات کرتے ہیں۔" وارڈن کو اپنے دفاع کے لیے کافی مواد مل گیا تھا' تب ہی انہوں نے نیلم کو بھی اپنے کمرے میں جانے کی اجازت دے دی تھی۔ اپنے کمرے میں داخل ہوتے ہی نیلم کا دل بھر آیا' اس نے کب سوچا تھا کہ بختاور ایسا قدم اٹھائے گی اور اپنے ساتھ ساتھ اس کی پوزیشن کو بھی مشکوک بنا دے گی۔

وہ تکیے پر سر رکھ کر بے اختیار رو پڑی۔ اور پتا نہیں وہ کب روتے روتے نیند کی وادیوں میں گم ہو گئی' کتنی ہی لڑکیوں نے اس کے دروازے پر دستک دی' وہ اس سنسنی خیز اسٹوری کا چٹ پٹا حصہ سننا چاہتی تھیں' لیکن نیلم نے جان بوجھ کر اس رات اپنے کان بند کر لیے تھے۔ وہ کسی کے اوٹ پٹانگ سوالوں کا جواب دینا نہیں چاہتی تھی اور ویسے بھی اس کے پاس بتانے کے لیے تھا ہی کیا' لیکن لوگوں کی زبانوں کو کون پکڑ سکتا ہے۔ خلقت شہر تو کہنے کو فسانے مانگے۔

"ارے یہ بختاور نے کیا کیا' وہ ایسی لڑکی لگتی تو نہیں تھی۔" صبح واش روم میں جب وہ اپنی سوجی ہوئی آنکھوں پر پانی کے چھینٹے مار رہی تھی' اس کے برابر کے کمرے والی عمارہ نے تجسس بھرے انداز میں پوچھا۔

"تم سے کس نے کہا وہ ایسی ویسی لڑکی تھی۔؟"

نیلم کو ایک دم ہی غصہ آگیا۔ عمارہ بوکھلا سی گئی۔

"بھئی۔ سارے ہوسٹل میں مشہور ہے کہ وہ کسی کے ساتھ بھاگ گئی ہے۔" عمارہ نے ہلکا سا جھجک کر کہا۔

"کون کہہ رہا ہے ایسا۔؟" نیلم نے کمر پر ہاتھ رکھ کر دو ٹوک انداز میں پوچھا' اس کے لہجے اور آنکھوں سے چھلکتی برہمی نے عمارہ کو الجھن میں ڈال دیا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولتی' نیلم ایک دفعہ پھر شروع ہو گئی۔

"جو جو یہ بکواس کر رہا ہے' اسے بتادو' وہ اپنی خالہ کے پاس سرگودھا گئی ہے' اس کا اپنے والدین کے ساتھ کوئی جھگڑا ہو گیا تھا۔ سمجھیں تم۔" نیلم نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پہلی دفعہ بڑے اعتماد سے جھوٹ بولا تھا۔ عمارہ گڑبڑا سی گئی۔

"اوہ سوری۔ ہم سمجھے شاید۔" عمارہ نے شرمندگی سے بات ادھوری چھوڑی۔

"اگر تم لوگوں کی سمجھ چھوٹی ہے تو برائے مہربانی اپنی لمبی زبانوں کو بھی کنٹرول میں رکھو' ایسے ہی خوامخواہ کسی پر بہتان نہیں لگاتے۔" نیلم نے عمارہ کو ٹھیک ٹھاک سنائیں اور اپنے کمرے میں آگئی۔

اس نے سوچ لیا تھا کہ اب اس نے اپنی ہوسٹل فیلوز کو کیسے مطمئن کرنا ہے۔ بختاور نے خواہ کتنی ہی غلط حرکت کی تھی لیکن وہ اس کی دوست تھی اور وہ اس کے خلاف ایسی کوئی بات نہیں سن سکتی تھی جس سے اس کے کردار پر حرف آتا ہو۔

اس دن پہلی دفعہ نیلم نے ہوسٹل میں رہتے ہوئے یونیورسٹی سے چھٹی کی۔ سارا دن وہ کمرہ بند کیے بیٹھی رہی' اس کا خوش فہم دل اسے بار بار دھوکا دے رہا تھا کہ بختاور یہیں کہیں' اس شہر میں چھپ گئی ہو گی اور

کسی بھی لمحے واپس آجائے گی' لیکن وہ دن نیلم پر قیامت کی طرح گزرا تھا' ہر دستک پر اس کا دل اچھل کر باہر آجاتا اور ہر آواز پر اسے بختاور کی آواز کا گمان ہوتا لیکن مغرب کی اذان کے ساتھ ہی اس کی ساری امیدیں دم توڑ گئیں' اسے یقین آگیا تھا کہ کچھ مسافر کبھی لوٹ کر واپس نہیں آتے۔



ٹرین' رات کی تاریکی کو کچلتی ہوئی آگے بڑھتی جارہی تھی اور یوں محسوس ہورہا تھا جیسے وہ کسی تاریک مخمل پر روشنی کے تیر برسا رہی ہو۔ ڈبوں کی روشنی کھڑکیوں سے چھن چھن کر پٹڑی پر پڑتی تو ایسا لگ رہا تھا جیسے کسی نے پٹڑیوں پر پارہ چھلکا دیا ہو۔

ٹرین کی بزنس کلاس میں بیٹھے دو مسافر اپنی ساری کشتیاں جلا کر نئے سفر کی طرف گامزن تھے' لیکن دونوں کے ہی چہروں پر بے شمار سوچیں اور آنے والے دنوں کا خوف رقصاں تھا۔ چھ لوگوں کی اس بوگی میں سے ایک شخص صادق آباد میں اور باقی تین سکھر اسٹیشن پر اترے تو ہاشم اور بختاور نے سکھ کا سانس لیا۔ اس وقت وہ دونوں اکیلے تھے۔ ہاشم نے لپک کر بوگی کا دروازہ اندر سے بند کردیا تھا۔ اسے خوف تھا۔ کہیں باہر گیلری میں کھڑے دو تین لڑکے اندر نہ آجائیں۔

سخت سردیوں کے دن تھے اور ہاشم اپنے ساتھ ایک کمبل بھی لے آیا تھا جسے اوڑھ کر بختاور اوپر برتھ پر لیٹی ہوئی تھی۔ اس نے ملتان سے لے کر سکھر تک کا سفر اسی برتھ پر ٹرین کی دیوار کی طرف منہ کرکے گزارا تھا۔ اسے ڈر تھا' کہیں اسے کوئی پہچان نہ لے' حالانکہ یہ محض اس کا واہمہ تھا۔

"نیچے آجاؤ' اب یہاں کوئی نہیں ہے۔" ہاشم نے ہاتھ پکڑ کر اسے نیچے اترنے میں مدد دی۔ بختاور کا چہرہ اتنے سرد موسم میں بھی پسینے میں بھیگا ہوا تھا۔

"کیا ہوا...؟ پریشان ہو کیا...؟" ہاشم کو وہ اس وقت کسی ڈری سہمی ہرنی کی مانند لگی۔ اس کے ہونٹ بالکل خشک تھے۔ چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

"مجھے پیاس لگی ہے۔" اس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے ہاشم سے کہا' تو اس نے فوراً سیٹ پر رکھی پلاسٹک کی بوتل اس کی جانب بڑھادی۔ بختاور نے جلدی سے بوتل منہ سے لگائی اور ایک ہی گھونٹ میں خالی کرگئی' اس کے انداز میں اس قدر بے تابی اور بے صبرا پن تھا کہ کچھ پانی چھلک کر اس کے کپڑوں پر آن گرا۔

"دھیان سے۔" ہاشم نے اسے ٹوکا۔

"مجھے گرمی لگ رہی ہے۔" بختاور کی اگلی بات پر ہاشم کو اس کی ذہنی حالت پر شک گزرا۔ اس نے ایک لمحہ سوچ کر اس کا بازو پکڑا' وہ بخار کی شدت سے تپ رہی تھی۔

"بے وقوف لڑکی! تمہیں تو اچھا خاصا بخار ہے۔" وہ ایک دم پریشان ہوا۔

"ہاں شاید۔" اس نے غائب دماغی سے جواب دیا۔

"اچھا' تم یہاں آرام سے سیٹ پر بیٹھ جاؤ' میں اگلے اسٹیشن پر دیکھتا ہوں' شاید کسی اسٹال سے کوئی بخار کی ٹیبلٹ مل جائے۔" وہ فکر مند انداز سے بختاور کے بالکل پاس آن بیٹھا۔ بختاور کے ماتھے پر ہلکی ہلکی پسینے کی بوندیں تھیں۔

"تم پریشان ہو ناں؟" ہاشم نے ہلکی سی شرمندگی سے اسے مخاطب کیا' جو آنکھیں موندے ست انداز سے بیٹھی تھی۔ "آئی ایم سوری یار' یہ سب میری وجہ سے ہوا ہے' میں تم سے بہت شرمندہ ہوں۔" ہاشم کے شرمندہ انداز پر بختاور نے پٹ سے آنکھیں کھولیں۔ وہ آنکھیں جھکائے سنجیدہ انداز سے بیٹھا ہوا تھا۔ بختاور کے دل کو کچھ ہوا۔

"ہاشم! میں نے ایسا تو کچھ نہیں کہا۔" بختاور نے اسے مطمئن کرنے کی کوشش کی۔

"ہر بات لفظوں میں کہنا ضروری نہیں ہوتی بلعض دفعہ ان کہی باتیں انسان کی خاموشی سے بھی چھلکنے لگتی ہیں۔" ہاشم کا لہجہ گہری افسردگی میں ڈوبا ہوا تھا۔ وہ اس

وقت خاصا رنجیدہ اور پشیمان لگ رہا تھا۔

بختاور نے بے ساختہ اپنا سر اس کے کندھے سے ٹکا دیا۔ وہ خود اپنے آپ سے لڑتے لڑتے تھک چکی تھی۔ ملتان سے سکھر تک اس نے اپنے آپ سے ایک طویل جنگ لڑی تھی۔ اس کے ذہن میں اپنے والدین اور بہن بھائیوں کے چہرے آ رہے تھے۔

"تھک گئی ہو ناں۔" ہاشم نے محبت بھرے انداز میں پوچھا۔

"آپ کے ساتھ تو میں کبھی نہیں تھک سکتی' آپ کا ساتھ میری زندگی میں رنگ بھر دیتا ہے۔" اس کے چاہت بھرے انداز پر ہاشم کا دل طمانیت کے گہرے احساس سے بھر گیا۔ اسے لگا جیسے وہ کسی بادل کی طرح ہلکا پھلکا ہو گیا ہو۔ اس کے دل کی کھیتی ایک دم ہی ہری بھری ہو کر لہلہانے لگی۔ اس نے نرم نگاہوں سے بختاور کی طرف دیکھا جو آنکھیں بند کیے اب پرسکون تھی اور اس کا سر ابھی بھی ہاشم کے کندھے سے ٹکا ہوا تھا۔

"میں کوشش کروں گا کہ تمہیں ہمیشہ خوش رکھوں۔" ہاشم نے زندگی کے اس پہلے سفر کا پہلا وعدہ اس کے آنچل میں باندھا۔ بختاور کے دل میں خوشی کے بہت سے چھوٹے چھوٹے دیپ جل اٹھے۔

"اور میں ہر دکھ سکھ میں آپ کا ساتھ دوں گی۔" اس نے بھی جواباً" ایک خوشنما وعدے کی ڈور اس کے ہاتھ میں پکڑائی۔

"میں ایک بات سوچ رہا تھا بختاور۔" وہ دھیمے انداز سے گویا ہوا' بختاور نے سر اٹھا کر سوالیہ نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا۔

"کاش' تمہارے والد مان جاتے تو میں پورے عزت اور احترام سے تمہیں لے کر جاتا۔" ہاشم نے اس کے سر کو سہلاتے ہوئے اداس لہجے میں کہا۔

"میں ساری زندگی بھی ان کی منتیں کرتی رہتی تو وہ نہ مانتے۔"

"کیا میں اتنا برا ہوں۔؟" اس کی بات پر بختاور کو دھچکا سا لگا۔ اس نے ہاشم کی آنکھوں میں جھانک کر پورے اعتماد سے کہا۔

"تم برے نہیں ہو' میرے بابا کی ضد اور انا بہت بری ہے۔"

"وہ تو خیر کسی بھی انسان میں ہو تو اچھی نہیں ہوتی۔" وہ پھیکے سے انداز میں مسکرایا۔

"میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ میں زندگی میں ایسا قدم اٹھاؤں گی۔" بختاور افسردہ ہوئی۔

"کوئی بھی نہیں سوچتا ایسا۔" ہاشم نے درمیان میں لقمہ دیا تو بختاور خاموش ہو گئی۔ "کیا سوچ رہی ہو تم؟" اس نے فکر مند لہجے میں پوچھا۔

"میں نیلم کے بارے میں سوچ رہی تھی۔"

بختاور کی بات نے ہاشم کو حیران کیا۔ "کیا سوچ رہی ہو اس کے بارے میں۔؟"

"پتا نہیں امی اور بابا نے نیلم کے ساتھ کیا سلوک

کیا ہو گا۔" بختاور کو اچانک اپنی پُرخلوص دوست یاد آگئی اور ساتھ ہی اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔
"نیلم بے چاری کا کیا قصور ہے۔؟ اور اسے وہ لوگ کیوں کچھ کہیں گے؟" ہاشم نے کہا۔
"اکثر لوگ اپنی غلطیوں کا بوجھ دوسروں کے کندھوں پر رکھنے کی کوشش کرتے ہیں کیونکہ غلط فیصلوں کا خمیازہ اکیلے بھگتنا آسان نہیں ہوتا ہے۔"
وہ تلخ لہجے میں گویا ہوئی' ہاشم خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھتا رہ گیا۔ وہ ایک دم ہی اپنی عمر سے دس سال بڑی لگنے لگی تھی۔ ہاشم مزید کچھ کہتا لیکن پھر کچھ سوچ کر چپ کر گیا۔

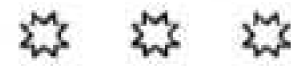


وہ سرد رات آپا صالحہ کے لیے بہت اذیت ناک تھی۔ جسم بخار کی شدت سے تندور بنا ہوا تھا اور دماغ میں سوچوں کا جہنم روشن تھا۔ پچھتاوے ان کا دامن پکڑ کر بیٹھ گئے تھے۔ وہ بے بس انداز میں اٹھیں اور دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔ اس وقت رات کے دو بج رہے تھے۔ باہر بادلوں کی گڑگڑاہٹ' رات کی خاموشی میں عجیب سا تاثر دے رہی تھی۔ ایک دم صحن میں لگے درختوں کی شائیں شائیں سے انہیں احساس ہوا کہ باہر سرد ہواؤں نے ایک طوفان برپا کر رکھا ہے۔ ایک دھماکے سے ان کی پلنگ والی سائیڈ پر لگی کھڑکی کا پٹ کھلا اور سرد ہواؤں کا ایک ریلہ اندر گھس آیا۔
آپا صالحہ نے خوف زدہ انداز سے کھڑکی کی طرف دیکھا' اس کی سلاخوں سے دور آسمان پر کوئی بجلی چمکی تھی۔ ٹھنڈی یخ ہوا کی وجہ سے آپا صالحہ کے جسم پر کپکپی طاری ہو گئی۔ وہ بمشکل اٹھیں اور ننگے پاؤں فرش پر چلتے ہوئے باہر نکل آئیں۔ سرد رات کی تاریکی میں ہونے والی یہ بارش ان کے کئی زخموں کے ٹانکے ادھیڑنے کا باعث بن رہی تھی۔ بہت سے ان کہے دکھ سر اٹھا کر کھڑے ہو گئے تھے۔ پتا نہیں ان کے دل میں کیا آیا کہ وہ دبے قدموں چلتی ہوئی اسٹور کی جانب چلی آئیں۔ اسٹور میں گھستے ہی انہیں ہلکی سی گرمائش کا احساس ہوا۔ انہوں نے کمرے کا زیرو واٹ کا بلب روشن کیا اور وحشت ناک نظروں سے کونے میں رکھے لوہے کے ٹرنک کو دیکھنے لگیں۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کے اندر کوئی خاص خزانہ چھپا ہوا ہو۔ اس ٹرنک کے زنگ آلود تالے کو انہوں نے ایک خاص جگہ سے چابی اٹھا کر کھولا۔
صندوق کے کھلتے ہی اندر سے فینائل کی گولیوں کی بدبو چاروں طرف پھیلی۔ انہوں نے صندوق کے کونے میں رکھا ایک سیاہ رنگ کا بوسیدہ سا شاپر نکال کر کھولا۔ اس میں دو چھوٹے چھوٹے گلابی رنگ کے فراک' رومال' جرابیں اور ننھا سا بادامی رنگ کا ہاتھ سے بنا ہوا سویٹر تھا۔
وہ کچھ لمحے ان چیزوں کو ہاتھ میں پکڑ کر دیکھتی رہیں اور پھر ایک دم ہی ان پر دیوانگی کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔ وہ دیوانہ وار اسے چومنے لگیں۔ ان کی آنکھوں سے آنسو قطار کی صورت میں بہہ نکلے۔ ایک بارش آپا صالحہ کے اندر اور دوسری باہر صحن میں ہو رہی تھی۔ روتے روتے وہ تھک گئیں تو ان چیزوں کو دوبارہ اسی شاپر میں ڈال کر صندوق کے کونے میں احتیاط سے رکھ دیا۔ اچانک ان کی نظر کاسنی رنگ کی شفون کی ساڑھی پر پڑی' انہوں نے افسردہ انداز سے اسے اٹھایا اور آنکھوں کے قریب کر کے دیکھنے لگیں۔ ساڑھی خاصی پرانی تھی اور اس پر کیا ہوا دبکے کا کام اپنی رنگت کھو بیٹھا تھا اور اس میں فنائل کی گولیوں کی بدبو رچ بس گئی تھی۔
ایک دم ہی ان کے دل میں کوئی خیال آیا اور انہوں نے اس ساڑھی کو اپنے جسم کے گرد لپیٹنا شروع کر دیا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ اپنے حواسوں میں نہ ہوں۔ عدینہ جو فریج سے بوتل نکالنے کے لیے اپنے کمرے سے نکلی تھی' اسٹور میں جلتی مدھم سی روشنی کو دیکھ کر ادھر نکل آئی۔ اسٹور کا دروازہ ہلکا سا کھلا تھا۔ وہ تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر دروازے کے پاس پہنچ گئی' حالانکہ اس کا دل اندر سے ڈر رہا تھا۔

جیسے ہی عدینہ نے تھوڑا سا جھانک کر اندر دیکھا' اسے دھچکا لگا۔ آپا صالحہ اپنے پرانے ٹرنک کے سامنے کھڑی' اپنے شلوار قمیص سوٹ کے اوپر ساڑھی لپیٹنے میں مگن تھیں۔ عدینہ کو ایسا لگا جیسے سامنے آپا صالحہ نہیں کسی قبرستان کی کوئی بھٹکی ہوئی روح کھڑی ہو۔ آپا صالحہ کے چہرے پر عجیب سی وحشت' اذیت اور دیوانگی تھی۔ وہ بالکل بھی اپنے حواسوں میں نہیں لگ رہی تھیں۔

"آپا کو کیا ہو گیا۔؟" عدینہ کا دل پریشان ہوا۔ اسی لمحے آپا صالحہ نے اپنا صندوق دوبارہ اسے کھولا اور اس میں سے کوئی چیز تلاش کرنے لگیں۔ ایک منٹ کے بعد ان کے ہاتھ میں وہی سنگ مرمر کا کتبہ تھا' جو ایک دفعہ عدینہ کے ہاتھ بھی لگا تھا۔ آپا صالحہ اس کتبے کو دیکھ کر پُر اسرار انداز میں مسکرائیں۔ خوف کی ایک لہر عدینہ کے سارے وجود میں دوڑ گئی' اس نے بے ساختہ دل ہی دل میں سورہ الناس اور سورہ الفلق کا ورد شروع کر دیا۔

آپا صالحہ کچھ لمحے اس کتبے کو دیکھتی رہیں اور پھر انہوں نے ایک عجیب سی حرکت کی' ایک پرانا سا تکیہ اٹھایا اور اسے زمین پر رکھا اور اس کے ساتھ ٹیک لگا کر وہ کتبہ زمین پر کھڑا کیا اور پھر خاموشی سے زمین پر اس طرح لیٹ گئیں کہ کتبہ ان کی پشت پر عین سر کے پیچھے آگیا۔ عدینہ کا حلق خشک ہوا۔ اسے لگا جیسے اس کی ٹانگوں سے جان نکل گئی ہو' وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے سامنے زمین پر آنکھیں بند کیے لیٹی آپا صالحہ کو دیکھنے لگی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے کسی قبر کا منہ کھل گیا ہو' اور آپا صالحہ اس میں لیٹی ہوئی ہوں۔



"یہ آپ مجھے کون سی ڈراؤنی فلم کا سین بتا رہی ہیں۔" عدینہ نے ساری رات جاگ کر گزاری تھی فجر کی نماز کے لیے مونا اٹھی تو اسے جاگتے دیکھ کر حیران ہوئی اور اس کے پوچھنے پر عدینہ نے سارا قصہ اس کے سامنے دہرا دیا۔ مونا کو شاید یقین نہیں آیا تھا۔

"تو تمہارا کیا خیال ہے' میں جھوٹ بول رہی ہوں۔" عدینہ برا مان گئی۔

"میں نے ایسا تو نہیں کہا' لیکن آپا نے اس قسم کی مشکوک حرکت پہلے تو نہیں کی۔" مونا نے بے یقینی سے کہا۔

"تو میں نے یہ کب کہا کہ وہ شروع سے ایسی حرکتیں کرتی آئی ہیں' میں نے بھی تو پہلی دفعہ دیکھا ہے' اسی لیے پریشان ہوں۔" عدینہ نے جھنجلا کر کہا۔

"میں اب دیکھ کر آؤں آپا کو' وہ اسٹور میں ہیں یا اپنے کمرے میں۔؟" مونا تجسس بھرے انداز سے کھڑی ہوئی۔

"رہنے دو' وہ ابھی کچھ دیر پہلے ہی وضو کرنے گئی ہیں۔" عدینہ کی بات پر مونا مایوس سے انداز سے بیٹھ گئی۔

"ایک بات کہوں عدینہ باجی! آپ برا تو نہیں مانیں گی۔" مونا نے ہلکا سا جھجک کر عدینہ کا سنجیدہ چہرہ دیکھا۔

"ہاں بولو۔" وہ لاپرواہ انداز سے گویا ہوئی۔

"آپ نے کہیں کوئی ڈراؤنا خواب تو نہیں دیکھ لیا رات میں۔" مونا کی بات پر اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

"ہاں کھلی آنکھوں سے دیکھا تھا خواب' تب ہی تو ساری رات ایک پل کو نہیں سو سکی۔" وہ باقاعدہ چڑ کر بولی۔

"آئی ایم سوری' میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" مونا خفت کا شکار ہوئی۔

"تمہارا جو بھی مطلب ہو' اٹھو جا کر وضو کر کے آؤ' مجھے نماز پڑھنے دو۔" عدینہ بے زاری سے سر جھٹک کر کھڑی ہوئی اور الماری سے جائے نماز نکالنے لگی۔

"آپ خفا ہو گئی ہیں ناں۔" مونا گھبرا گئی۔

"میں کیوں تم سے خفا ہوں گی۔" عدینہ کے لاپروا انداز پر مونا نے اطمینان سے سانس لیا۔ عدینہ نماز کی نیت کر چکی تھی' تب ہی تو وہ آہستگی سے دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔ بارش رک چکی تھی' لیکن سردی کی

شدت میں ایک دم ہی اضافہ ہو گیا تھا۔ مونا پر ہلکی سی کپکپی طاری ہوئی۔ وہ دوڑ کر واش روم میں پہنچی، جہاں بے بے نے گرم پانی کی بالٹی بھر کر رکھی ہوئی تھی۔ ان کے ہاں گیزر نہیں تھا اس لیے پانی گرم کرنے کا فریضہ بے بے بڑی باقاعدگی کے ساتھ سرانجام دیتی تھیں۔

وہ وضو کر کے فارغ ہوئی اور اپنی گرم شال اچھی طرح لپیٹ کر باہر نکلی تو عدینہ کو اس نے آپا صالحہ کے کمرے کی طرف جاتے دیکھا۔ وہ حیران ہوئی تھی لیکن پھر سر جھٹک کر اپنے اور عدینہ کے مشترکہ کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

"کیا بات ہے عدینہ! ایسے دروازے میں کیوں کھڑی ہو۔" سیاہ شال اوڑھے آپا صالحہ کا چہرہ افسردگی کا اشتہار بنا ہوا تھا۔

"آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں۔؟" عدینہ نے ان کے پاس بیٹھتے ہی ان کی نبض کو چھوا۔ اس وقت بھی انہیں ہلکا سا بخار تھا۔

"بس آپ میرے ساتھ آج ہی لاہور چلیں، آپ کے سارے ٹیسٹ کروا کر آؤں گی۔" عدینہ نے تھرما میٹر سے ان کا درجہ حرارت چیک کیا۔

"مجھے کہیں نہیں جانا، معمولی سا بخار ہے، خود ہی اُتر جائے گا۔" انہوں نے رضائی اچھی طرح اوڑھتے ہوئے سستی سے جواب دیا۔

عدینہ کا موڈ خراب ہوا اور وہ جھنجلا سی گئی۔ "آپ کبھی تو میری بات مان لیا کریں۔"

"یقین مانو عدینہ! بہت سالوں کے بعد میں نے کسی کی باتوں کو ماننا شروع کیا ہے اور وہ تم ہو۔" انہوں نے اپنے بیڈ پر تھوڑا سا پرے ہو کر اس کے لیے جگہ بنائی۔ عدینہ جھٹ سے ان کے ساتھ لیٹ گئی۔ اس نے محسوس کیا تھا کہ اب اکثر ہی آپا صالحہ اسے اپنے ساتھ لپٹا کر پیار کرنے لگی تھیں، ورنہ پہلے تو ان دونوں کے درمیان اجنبیت اور سرد مہری کی دیوار چین حائل تھی۔

"آپ کو اچھی طرح پتا ہے، میرا آپ کے علاوہ دنیا میں کوئی نہیں، اگر خدانخواستہ آپ کو کچھ ہو گیا تو میں کیا کروں گی۔" عدینہ کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

"جس کا کوئی نہیں ہوتا اس کا اللہ ہوتا ہے اور جس کا اللہ ہوتا ہے، اسے کسی اور کی ضرورت نہیں ہوتی۔" انہوں نے آنکھیں موند کر آہستگی سے کہا۔

"آپا! ایک سوال پوچھوں۔۔۔" عدینہ نے بازو کی پشت سے اپنی آنکھیں رگڑتے ہوئے رنجیدگی سے کہا۔

"نہیں۔۔۔" آپا صالحہ کے جواب نے اسے حیران کیا۔

"وہ کیوں؟؟؟"

"کچھ سوالوں کے جواب صرف وقت دیتا ہے انسان کے پاس ان سوالوں کا کوئی جواب نہیں ہوتا تم بھی اس وقت کا انتظار کرو۔" آپا صالحہ کے لہجے میں بلا کا سکون تھا۔ عدینہ مزید مضطرب ہوئی۔

"وقت کا کیا بھروسا، چلتی سانسیں اللہ جانے کب رک جائیں۔" عدینہ نے انہیں افسردگی سے یاد دلایا۔

"میرے بارے میں بے فکر رہو، جب تک تمہیں اپنی آنکھوں سے مکمل ڈاکٹر کے روپ میں نہیں دیکھ لوں گی، میں نہیں مروں گی۔" آپا نے اس کے ذہن میں ابھرتی سوچوں کو پڑھتے ہوئے جواب دیا، وہ ایک دم شرمندہ ہو گئی۔

"اللہ آپ کو میری عمر بھی لگا دے۔۔۔" عدینہ خفت زدہ لہجے میں اتنا ہی بولی تھی کہ آپا صالحہ نے اس کی بات کاٹ دی۔

"اللہ نہ کرے، تم مجھے لمبی عمر کی بددعا مت دو، اس زندگی میں سوائے پچھتاووں اور ذلت کے میں نے کچھ نہیں پایا، میں طویل عرصے تک ضمیر کی عدالت میں روز کوڑے نہیں کھا سکتی۔ دعا کرو اللہ مجھے معاف کر دے اور میرا نامہ اعمال قیامت والے دن دائیں ہاتھ میں دے۔" آپا صالحہ کی آواز عدینہ کو کسی گہرے کنویں میں سے آتی ہوئی محسوس ہوئی۔

"آپا! ایسا کیا ہو گیا تھا آخر آپ سے۔۔۔؟" وہ ٹھیک ٹھاک پریشان ہوئی۔

"کوئی بھی سوال مت کرو عدینہ! مجھے سونے دو،

میری طبیعت ٹھیک نہیں۔۔۔۔" آپا صالحہ کی آواز میں شامل غنودگی کو محسوس کرکے وہ سست سے انداز سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کا دل خاصا بوجھل ہو گیا تھا' لیکن وہ دل پر جبر کرکے اگلے ہی لمحے کمرے سے نکل گئی۔



اوریدا کے رویے نے ارصم کو اچھا خاصا الجھا دیا تھا' وہ جو سمجھ رہا تھا کہ یہ چند روز کی ناراضی ہے اور اس کے بعد راوی چین ہی چین لکھے گا' اس دفعہ ایسا کچھ بھی نہیں ہوا تھا' ہوائیں واقعی اپنا رخ بدل چکی تھیں۔ وہ بڑے ابا کی طرف جاتا تو اوریدا کئی کئی گھنٹوں تک اپنے کمرے سے ہی نہیں نکلتی تھی۔ اس کے پاس چلا جاتا تو اس کے لہجے میں اس قدر اجنبیت اور بے رخی ہوتی کہ ارصم چاہتے ہوئے بھی اس سے بے تکلفی کا مظاہرہ نہ کرپاتا۔

"خیر ہے' آج کل تم نے بڑے ابا کی طرف حاضری دینا کم کردی ہے۔" ڈاکٹر بینش نے بہت جلد ہی اس کی روٹین کا مشاہدہ کرلیا تھا۔

"نہیں' جاتا تو ہوں۔۔۔۔" وہ جو ویک اینڈ پر گھر آیا ہوا تھا' اپنی ماما کے اس سوال پر ٹی وی لاؤنج کے صوفے پر سنبھل کر بیٹھ گیا۔

"پہلے کی طرح تو نہیں جاتے۔۔۔" وہ طنزیہ انداز میں گویا ہوئیں تو ارصم نے سوالیہ نظروں سے ان کی طرف دیکھا۔

"پہلے تو صبح و شام وہاں کے پھیرے لگتے تھے' اور حاضری لگوائے بغیر تو تمہارا کھانا بھی ہضم نہیں ہوتا تھا' انہوں نے اپنے مخصوص تیکھے انداز سے ابرو چڑھا کر کہا تو ارصم ہلکا سا چڑ گیا۔

"ماما! آپ کسی بھی حال میں خوش نہیں رہتیں' پہلے آپ کو میرے وہاں زیادہ جانے پر اعتراض تھا اور اب کم جانے پر۔"

"میں نے اعتراض تھوڑی کیا ہے۔۔۔۔" وہ بھی محتاط انداز سے گویا ہوئیں۔ "میں اس کی وجہ پوچھ رہی ہوں؟"

"کوئی وجہ نہیں ہے' اوریدا اپنی اسٹڈی میں اور ماہیر اپنی ایڈورٹائزنگ کمپنی میں مصروف ہوتا ہے اور بڑے ابا کا تو آپ کو پتا ہے' کتنے موڈی ہیں۔" اس دفعہ ارصم نے نہ چاہتے ہوئے بھی سنجیدگی سے جواب دیا' یہ اور بات کہ اس نے اپنا لہجہ دانستہ طور پر لاپروا رکھا ہوا تھا' اسے علم تھا کہ جب تک بینش مطمئن نہیں ہوں گی' ایسے ہی سوال جواب کا سیشن چلتا رہے گا۔

"خیر ایسی بھی بات نہیں' سرمد کے ساتھ خوب سیر سپاٹے کررہی ہوتی ہے اوریدا۔" ڈاکٹر بینش کا طنزیہ لہجہ ارصم کا دل جلا گیا۔

"آپ نے کہاں دیکھ لیا انہیں سیر سپاٹے کرتے ہوئے۔۔۔" اس نے حتی الامکان خود کو بے نیاز ظاہر کرنے کی کوشش کی۔

"سعید بک بینک پر۔۔۔۔" انہوں نے میز پر رکھا میگزین اٹھاتے ہوئے لاپروائی سے جواب دیا۔

"ماما' اب بک شاپ پر بھی کوئی سیر سپاٹے کرنے جاتا ہے' آپ بھی بعض دفعہ حد کردیتی ہیں۔" ارصم نے نادانستہ طور پر اوریدا کی طرف داری کی۔

"اس کے بعد ایک دفعہ میں نے اسے' ماہیر اور سرمد کو پی سی میں بھی لنچ کرتے دیکھا تھا۔۔۔۔" بینش بھی آج اسے خوب تپانے کے موڈ میں تھیں۔

"تو کیا ہوا۔۔۔؟" ارصم بے زاری سے کھڑا ہوا اور اپنے دونوں ہاتھ پینٹ کی جیبوں میں ڈال لیے۔ بینش کو اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کا موڈ خراب ہو چکا ہے۔

"تم کیوں منہ بنا رہے ہو' میں نے تو یونہی ایک عام سی بات پوچھی ہے۔" بینش کی بات پر وہ جھنجلا سا گیا۔ اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہوا۔

"آپ خواہ مخواہ رائی کا پہاڑ بنا رہی ہیں' میں تو ابھی بھی جا رہا ہوں بڑے ابا کی طرف۔" وہ پاؤں پٹختا ہوا ٹی وی لاؤنج سے نکلا۔ ڈاکٹر بینش اس کے اس طرح تپ جانے پر حیران ہوئیں اور پھر بے زاری سے سر جھٹک کر میگزین کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

ارصم تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا بڑے ابا کی پورشن کی طرف چلا آیا۔ بینش کی طنزیہ باتوں نے اس کا دماغ

خراب کر دیا تھا۔ اوائل سردیوں کے دن تھے اور شام کے وقت خنکی میں اچھا خاصا اضافہ ہو جاتا تھا۔ وہ بینش کے رویے پر دل ہی دل میں الجھتا جیسے ہی دوسرے پورشن کی طرف بڑھا گلان کا منظر دیکھ کر اسے دھچکا سا لگا۔ سامنے پھولوں کی باڑ کے پاس کرسیوں پر بیٹھے ماہیر' سرمد اور اوریدا بڑے مزے سے چائے پیتے ہوئے موسم کا لطف اٹھا رہے تھے۔ ان سب کے درمیان کوئی دلچسپ ٹاپک ڈسکس ہو رہا تھا' تب ہی اسے دیکھ کر صرف ماہیر نے مصروف انداز میں ہاتھ ہلایا تھا' جبکہ اوریدا نے تو اس کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا' وہ خواہ مخواہ سرمد کے ساتھ مصروف نظر آنے کی ایکٹنگ کرنے لگی۔ "ارصم! آؤ ہیر..." ماہیر نے مسکراتے ہوئے اسے وہاں آنے کی دعوت دی۔

"سوری یار! ٹائم کم ہے' مجھے بڑے ابا سے ملنا ہے۔" ارصم اپنی بات کہہ کر فوراً" ان کے پورشن کی طرف بڑھ گیا۔ اوریدا نے ناراض نگاہوں سے اسے اندر جاتے دیکھا تھا' وہ ایک دم بے چین سی ہو گئی تھی۔

ارصم داخلی دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ بڑے ہال کے صوفے پر بیٹھی بڑی اماں فون پر اپنی بیٹی طیبہ کے ساتھ کسی خاص موضوع پر بات کر رہی تھیں' تب ہی ان کا لہجہ پُرجوش اور انداز میں رازداری کا عنصر نمایاں تھا۔

"بھئی طیبہ! سچ پوچھو تو میں تیمور کی مرضی کے بغیر اوریدا کے رشتے کے لیے ہاں نہیں کہہ سکتی۔" بڑی اماں کے منہ سے نکلنے والے لفظوں نے ارصم کے قدم جکڑ لیے۔ وہ بڑی اماں کی پشت کی جانب کھڑا کا کھڑا رہ گیا۔ وہ اس کی آمد سے بے خبر تھیں۔

"ارے میں نے کب کہا کہ سرمد میں کوئی برائی ہے' سچ پوچھو تو میں بھی دل سے یہی چاہتی ہوں' چلو ہم دونوں بہن بھائیوں کے درمیان ہی رشتہ مضبوط ہو جائے گا۔ لیکن تم ابھی کچھ دن دم لو' میں موقع دیکھ کر تیمور سے اوریدا اور سرمد کے رشتے کی بات کروں گی۔" بڑی اماں کی بات نے ارصم کا جیسے سارا سکون غارت کر دیا تھا۔

وہ جن قدموں کے ساتھ اندر داخل ہوا تھا ان ہی قدموں سے پلٹ گیا۔ جیسے ہی اس نے ہال کا دروازہ کھولا' دوسری طرف تیزی سے اندر داخل ہوتی اوریدا سے ٹکرا گیا۔ اوریدا نے اپنے ماتھے کو سہلاتے ہوئے اسے خفا نگاہوں سے دیکھا تو ارصم کے انداز میں سرد مہری کا عنصر غالب تھا۔ اس نے بے رخی سے اوریدا کا بازو پکڑ کر ایک طرف کیا اور غصے سے باہر نکلا' لیکن سامنے ہی ماہیر آ رہا تھا۔

"ارے اتنی جلدی واپس کیوں جا رہے ہو...؟؟" ماہیر حیران ہوا۔

"بڑے ابا سو رہے ہیں' میں پھر آ جاؤں گا۔" ارصم کی سپاٹ لہجے میں دی جانے والی وضاحت اوریدا نے اندر کاریڈور میں کھڑے سنی تھی۔

"اچھا..." ماہیر کے انداز میں تعجب تھا۔ "چلو بیٹھ کر اچھی سی چائے پیتے ہیں۔"

"نہیں یار' پھر سہی' ابھی میرا ایک کلاس فیلو کے ساتھ باہر جانے کا موڈ ہے۔" ارصم نے ایک دفعہ پھر جھوٹ بولا۔

"چلو پھر ٹھیک ہے' ورنہ ہم لوگ تو تم سے ملنے ہی اندر آ رہے تھے۔ رات میں باہر ڈنر کا پروگرام ہے' اگر فری ہو تو ہمیں جوائن کر سکتے ہو...." ماہیر نے خوش دلی سے اسے دعوت دی۔ "تو تھینکس..." وہ بڑے مصروف انداز سے اپنے پورشن کی طرف بڑھا تھا جبکہ ماہیر کو ارصم کی اس قدر بے رخی پر ہلکی سی حیرت ہوئی لیکن اگلے ہی لمحے اس نے کندھے اچکا کر اندر کی جانب قدم بڑھائے۔ جیسے ہی دروازہ کھول کر ماہیر اندر داخل ہوا کاریڈور میں اوریدا کسی سوچ میں گم کھڑی تھی۔

"تم کیوں گوتم بدھ کی طرح یہاں ساکت کھڑی ہو...؟" ماہیر نے اسے چھیڑا۔

"میں ایک بات سوچ رہی تھی بھائی..." اوریدا نے الجھن بھرے انداز میں ماہیر کی طرف دیکھا۔

"یہی ناں کہ ارصم کو کیا ہوا؟ اس نے جھوٹ بولنا

کیوں شروع کردیا۔" ماہیر نے مسکراتے ہوئے کہا۔ وہ حیران رہ گئی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ماہیر اتنی سرعت سے اس کے ذہن میں ابھرتی سوچ کو پڑھ لے گا۔ وہ واقعی بہت ذہین تھا۔

"ہاں ناں، بڑے ابا تو جم گئے ہوئے ہیں، پھر اس نے کیوں کہا کہ وہ سو رہے ہیں؟" اوریدا نے ماہیر کے سامنے اپنی الجھن بیان کی۔

"میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ ہو سکتا ہے اُسے کوئی کام یاد آگیا ہو، تم کیوں اتنی معمولی بات کو سیریس لے رہی ہو۔" ماہیر کے کھوجتے ہوئے انداز پر اوریدا فوراً سنبھل گئی۔

"میں تو یونہی کہہ رہی تھی...." اوریدا نے دانستہ لاپروائی سے کہا۔

"جب انسان کسی کی اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھی غور و فکر کرنے لگتا ہے تو سمجھو اندر معاملہ کچھ اور ہے۔" ماہیر کے جتاتے ہوئے انداز پر اوریدا برامان گئی۔

"مطلب کیا ہے آپ کا اس بات سے....؟"

"ویسے ہی کہہ رہا تھا یار! تم اپنے نازک دماغ پر زیادہ بوجھ مت ڈالا کرو، خواہ مخواہ اپنا نقصان کرلو گی۔" ماہیر اسے چھیڑتے ہوئے سیل فون پر اپنے کسی دوست کا نمبر ڈائل کرنے لگا اور پھر سیل فون کان کے ساتھ لگا کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ اوریدا خالی لاؤنج میں بیٹھ گئی۔

"ارصم کے انداز میں آج اس قدر ناراضی اور سرد مہری کیوں تھی۔" اس کے دماغ میں کئی سوچیں ایک ساتھ ابھریں۔

"اس نے کس قدر رکھائی سے میرا بازو پکڑ کر مجھے سائیڈ پر کیا تھا، جیسے مجھ سے اس کا کوئی تعلق یا واسطہ نہ ہو، یقیناً" زرش نے اسے مجھ سے دور رہنے کے لیے کہا ہوگا۔" اوریدا کا بدگمان دل ایک جواز ڈھونڈ ہی لایا تھا۔ اس سوچ نے اس کو مزید مضطرب کردیا اب اسے کئی گھنٹے اکیلے بیٹھ کر ارصم کے رویے پر کڑھنا تھا۔



"کل تو سنڈے ہے اور تم آج ہی ہاسٹل واپس جارہے ہو۔" بینش ارصم کے لیے بادام کی کھیر بنا کر اس کے بیڈ روم میں داخل ہوئیں تو وہ اپنا چھوٹا بیگ بیڈ پر رکھے اس میں اپنی چیزیں رکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر بلا کی سنجیدگی اور کسی حد تک بے زاری تھی۔ اس نے ایک لاتعلق سی نظر اپنی ماں پر ڈالی جو اس کے اس طرح اچانک ہاسٹل جانے پر پریشان ہوگئی تھیں۔

"میرے روم میٹ کا فون آگیا تھا، ہمارا کل کمبائن اسٹڈی کا ارادہ ہے۔" ارصم نے انہیں مطمئن کرنے کے لیے جھوٹ بولا۔

"اسے گھر پر بلالو ناں، میں اچھا سا لنچ تیار کروادوں گی۔" ڈاکٹر بینش کو بالکل بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا کہ وہ چھٹی کا دن ہاسٹل میں گزارے۔

"گھر میں اسٹڈی والا ماحول نہیں بنتا ماما....." ارصم نے واڈروب کھول کر اپنی ایک نئی شرٹ نکالی۔

"اسی گھر میں پڑھ کر تم نے بورڈ میں ٹاپ کیا تھا۔" بینش نے اسے یاد دلایا۔

"میں اپنی نہیں اپنے فرینڈ کی بات کررہا ہوں۔ وہ یہاں ایزی فیل نہیں کرے گا۔" اس نے فوراً" اپنے بیان کی تصحیح کی۔

"بہر حال کوئی ضرورت نہیں، کل شام کو چلے جانا...." انہوں نے کھیر والا پیالہ سائیڈ میز پر رکھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

"کیوں...؟" وہ بے زار ہوا۔

"پورے پانچ دن کے بعد تو تم آئے تھے گھر اور آج پھر چل پڑے۔" بینش نے ناراضی سے اسے دیکھا۔

"ایک تو آپ میری سمجھ میں نہیں آتیں ماما..." اس نے اپنی پریس کی ہوئی شرٹ کا گولا سا بنا کر بیگ میں پھینکا اور ان کے سامنے آن کھڑا ہوا۔

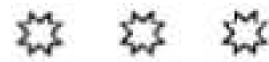
"پہلے آپ نے مجھے ایک ہی شہر میں رہتے ہوئے زبردستی ہاسٹل بھجوایا اور اب خود ہی زیادہ وقت گھر پر گزارنے پر اصرار کرتی ہیں۔" وہ ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بے زار لہجے میں پوچھ رہا تھا بینش جھنجلاہٹ کا شکار ہوئیں۔

"بس! تم ہاسٹل چھوڑ کر گھر واپس آجاؤ۔۔۔" بینش کی بات پر اسے حیرانی کا جھٹکا لگا۔
"وہ کیوں بھلا؟"
"میں تمہیں بہت مس کرتی ہوں ارصم۔۔۔" بینش کے اگلے جملے نے اسے حیران کم اور پریشان زیادہ کیا۔
"آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں ماما۔۔۔" وہ بھلا کہاں بینش سے ایسے جذباتی جملے کی توقع کر رہا تھا۔
"کہا ناں تم چھوڑو ہاسٹل کو' روز گھر سے چلے جایا کرنا اپنے کیمپس۔۔۔" وہ اس کے بیڈ پر بیٹھ کر ضدی انداز میں بولیں۔
"سوری ماما' میں اب وہاں ایڈجسٹ ہو چکا ہوں۔۔۔" ارصم نے صاف انکار کیا اور ویسے بھی اب وہ یہاں بالکل بھی نہیں رہنا چاہتا تھا جہاں صبح شام اس کا دل جلانے کو کافی سامان موجود تھا۔
"ارصم! تم میری بات نہیں مانو گے۔۔۔؟" بینش نے خلاف توقع نرم انداز اپنایا۔
"ساری زندگی آپ کی باتیں ہی تو مانی ہیں ماما۔۔۔" اس نے اپنے بیگ کی زپ بند کرتے ہوئے زبردستی مسکرا کر ان کی طرف دیکھا۔
"تو ٹھیک ہے' یہ بھی مان لو۔۔۔" وہ ضد پر اتر آئیں۔
"ماما! میں یہاں رہ کر نہیں پڑھ سکتا' آپ میری بات کو سمجھنے کی کوشش کریں۔" ارصم نے نرمی سے ان کا ہاتھ پکڑ کر سمجھانے کی کوشش کی۔
"کیوں نہیں پڑھ سکتے' اس گھر میں تمہاری مدد کرنے کو تین تین پروفیسر ڈاکٹرز موجود ہیں' میں، تمہارے نانا' اور بڑے ابا۔" بینش نے اسے لاجواب کر دیا۔
"اچھا' آج جانے دیں نیکسٹ ویک اینڈ پر اپنا سارا سامان لے آؤں گا۔" ارصم نے بادل ناخواستہ ان کی بات مان لی تھی۔
"تھینک یو بیٹا' تھینک یو سو مچ۔۔۔" بینش نے بے ساختہ اس کے ماتھے کا بوسہ لیا۔ ارصم زبردستی مسکراتے ہوئے اپنی چیزیں اٹھانے لگا' وہ اس گھر سے جلد از جلد نکل جانا چاہتا تھا۔ بڑی اماں کی بات نے اسے پریشان کر دیا تھا اور اوپر سے اوریدا کی بے رخی اس کے صبر کا امتحان لے رہی تھی۔ وہ بڑے بوجھل دل کے ساتھ اس دفعہ گھر سے گیا تھا۔
"تمہارا دماغ خراب ہے بینش' تم ارصم کو ہاسٹل سے واپس کیوں بلا رہی ہو۔" رات کو ان کی عزیز دوست صوفیہ کا اچانک ہی فون آگیا تو انہوں نے اس کے سامنے ذکر چھیڑ دیا۔ اس اطلاع پر صوفیہ کو غصہ ہی تو آگیا تھا۔
صوفیہ کی محبت اور خلوص پر بینش کو کبھی شک نہیں ہوا تھا' اس لیے وہ بڑے آرام سے اس کی کھری کھری باتیں بھی سن لیتی تھیں۔ ویسے بھی وہ ان کی اکلوتی دوست تھیں۔
"نہیں یار' اب مجھے کسی چیز کا خوف نہیں۔" وہ بڑے مطمئن انداز سے گویا ہوئیں۔
"کیا تیمور کی بیٹی اس گھر سے چلی گئی ہے؟" صوفیہ حیران ہوئیں۔
"نہیں یار' وہ اب یہاں رہے یا کہیں اور' مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" بینش نے مسکراتے ہوئے انہیں اطلاع دی۔
"صاف صاف بات کرو نا' میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا۔" صوفیہ ہلکا سا تپ گئیں۔
"تیمور کی بیٹی ارصم سے مایوس ہو کر اپنی پھپھو کے بیٹے سرمد کی طرف مائل ہو گئی ہے' آج کل تو ارصم کو گھاس بھی نہیں ڈالتی۔" بینش نے خوش گوار لہجے میں انہیں بتایا۔
"دیکھ لو' کہیں تمہیں کوئی غلط فہمی نہ ہو گئی ہو۔" صوفیہ کو یقین نہیں آیا تھا۔
"ارے نہیں نہیں' مجھے کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی' تم ٹینشن مت لو' اب تو دو' تین مہینے ہو گئے اس بات کو۔۔۔" بینش نے لاپروائی سے کہا۔
"حیرت ہے۔۔۔" صوفیہ کو نہ جانے کیوں یقین نہیں آرہا تھا۔
"ہاں حیرت تو مجھے بھی بہت ہوئی تھی لیکن' پھر میں

نے سوچا خس کم جہاں پاک۔۔۔" بینش نے بے زاری سے سر جھٹکا۔

"ارصم کی کیا پوزیشن ہے۔۔۔؟" صوفیہ کو اچانک ہی خیال آیا۔

"شروع شروع میں تو وہ بھی مجھے کچھ پریشان پریشان سا لگا تھا لیکن اب اپنی میڈیکل کی اسٹڈی میں مصروف ہو گیا ہے۔" بینش نے مسکرا کر کہا تو صوفیہ بھی مطمئن ہو گئیں اور پھر دونوں کی باتوں کا سلسلہ اپنی ایک کولیگ کی بیٹی کی شادی کی طرف مڑ گیا تھا۔



"سرمد بھائی! اوریدا کیسی ہے۔۔۔؟" اس دن سرمد اسے ہاسٹل ڈراپ کرنے جا رہا تھا تو گاڑی میں بیٹھی ہوئی شانزے نے اچانک پوچھا۔ وہ اس کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھی بڑے بے تکلف انداز سے فرنچ فرائز کھا رہی تھی۔ جب کہ سرمد گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا۔

"میرے دل کا سکون غارت کر کے خود تو بڑے مزے سے رہتی ہے وہ۔" سرمد کا شرارتی انداز شانزے کو اچھا لگا تھا۔

"آپ اپنی امی سے بات کر کے اپنا پروپوزل کیوں نہیں بھجوا دیتے۔" شانزے نے جھٹ سے مشورہ دیا۔

"جناب! آپ کے بھائی صاحب یہ بھی کر چکے ہیں لیکن تیمور ماموں کا کہنا ہے کہ اوریدا کو ابھی ڈسٹرب کرنا نہیں چاہتے۔ اس کی اسٹڈیز کے بعد دیکھیں گے۔" سرمد نے منہ بنا کر اسے تفصیل سے جواب دیا۔

"انگیجمنٹ کرنے میں تو کوئی حرج نہیں۔" شانزے کو، اوریدا کے پاپا کی بات پسند نہیں آئی تھی۔

"ہاں حرج تو نہیں، لیکن پھر میری امی نے بھی کہا کہ چلو ان کے کانوں میں یہ بات ڈال تو دی ہے ناں۔" سرمد مطمئن تھا۔

"آپ ماہیر سے کیوں نہیں اس موضوع پر بات کر لیتے۔۔۔" شانزے کی بات پر سرمد مسکرایا۔

"لڑکی، کیوں تم مجھے مرواؤ گی، وہ اوریدا کا بھائی ہے۔"

"لیکن آپ کا بیسٹ فرینڈ بھی تو ہے۔" شانزے نے ٹشو سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے اسے یاد دلایا۔

"سچ بتاؤں تو ہم دونوں کے درمیان بہت انڈر اسٹینڈنگ ہے، لیکن اس کے باوجود یہ ایک ایسا ٹاپک ہے، جس پر میں چاہتے ہوئے بھی ماہیر سے بات نہیں کر سکتا۔" سرمد نے صاف گوئی سے اعتراف کیا، شانزے کو اس کی نازک پوزیشن کا احساس ہوا۔

"اگر، آپ کہیں تو میں بات کر کے دیکھوں۔" شانزے کی بات پر وہ بے ساختہ بولا۔ "ہرگز نہیں۔"

"وہ کیوں۔۔۔؟" شانزے حیران ہوئی۔

"میں اس بات کو مناسب نہیں سمجھتا اور میں یہ بالکل بھی افورڈ نہیں کر سکتا کہ ماہیر میرے بارے میں کچھ غلط سوچے۔" سرمد حد درجہ سنجیدہ تھا۔

"ویسے بھی میرے ساتھ اس کی چاہے جتنی مرضی دوستی ہو، لیکن وہ اوریدا کا بھائی ہے اور کوئی بھی بھائی اپنی بہن کے بارے میں ایسی گفتگو کرنا پسند نہیں کرتا۔" سرمد کی بات اس کی سمجھ میں آ گئی تھی، تب ہی تو وہ ایک لمحے کو چپ کر گئی۔

"تم بتاؤ، ماہیر کا رویہ تمہارے ساتھ کیسا ہے۔۔۔؟" سرمد کے اس سوال پر وہ حیران ہوئی۔

"میرا مطلب ہے کہ باس بن کر تم پر زیادہ رعب تو نہیں ڈالتا۔۔۔" سرمد کی بات پر وہ کھلکھلا کر ہنسی۔

"نہیں نہیں، ایسا کچھ نہیں، وہ تو بہت فرینڈلی اور نرمی سے بات کرنے والے انسان ہیں، مجھے ہی ان کے بارے میں غلط فہمی ہو گئی تھی۔" اس نے فوراً ہی صفائی دی۔

"اسے تمہارے بارے میں غلط فہمی نہیں، خوش فہمی ہو گئی ہے۔۔۔" یہ بات سرمد کے لبوں پر آتے آتے رہ گئی۔

"اکیلے اکیلے کیوں مسکرا رہے ہیں.... "شانزے فوراً مشکوک ہوئی۔ "کیا بات ہے آخر.....؟"

"اکیلا کہاں ہوں تم میرے ساتھ نہیں ہو کیا؟"

سرمد کی بات پر وہ لاجواب ہوئی اور خاموشی سے اس کی میوزک کلیکشن دیکھنے لگی' ڈیش بورڈ میں کافی ساری نئی سی ڈیز رکھی ہوئی تھیں۔

☼ ☼ ☼

وہ دونوں کراچی کینٹ اسٹیشن پر اُترے تو اس وقت صبح کے پانچ بج رہے تھے اور روشنیوں کا شہر خاموشیوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ وہ دونوں ٹیکسی کے ذریعے جناح ہسپتال کے پچھلی طرف بنے بزرٹا لائن محلے میں پہنچے تو بختاور کو ٹیکسی سے اترتے ہی دھچکا سا لگا۔ تنگ تنگ گندی سی گلیاں جہاں ٹیکسی والے نے بھی جانے سے انکار کر دیا تھا اور دونوں کو آگے کا سفر پیدل طے کرنا تھا۔

اس محلے کا سیوریج سسٹم انتہائی خراب تھا' کچھ نالیاں بند تھیں اور ان کی وجہ سے گندا پانی ابل کر گلیوں میں آگیا تھا' آس پاس رہنے والے لوگوں نے اینٹیں رکھ کر وہاں سے گزرنے کا راستہ بنا لیا تھا۔ اس وقت کھڑے پانی کی بدبو سے وہاں ٹھہرنا انتہائی مشکل کام تھا۔ بختاور نے اپنا دوپٹہ ناک پر رکھا تھا۔ وہ سخت نا پسندیدہ نگاہوں سے آس پاس کے ماحول کو دیکھ رہی تھی۔ جگہ جگہ کچرا' خالی بوتلیں اور شاپر بکھرے ہوئے تھے۔

ہاشم' بڑے محتاط انداز سے ایک کندھے پر اپنا بیگ ڈالے اور دوسرے ہاتھ سے بختاور کا اٹیچی کیس سنبھالے گندے پانی میں رکھی اینٹوں پر چل رہا تھا لیکن اس کا تمام تر دھیان بختاور کی طرف تھا۔ جو اس کی پیروی کرتے ہوئے بوجھل قدموں سے اس کے پیچھے آرہی تھی۔

"دھیان سے....." چلتے چلتے ہاشم کے منہ سے یہ فقرہ بختاور کے لیے لاشعوری انداز میں نکل رہا تھا۔

"کہاں ہے آپ کے دوست کا گھر.....؟" وہ جھنجلا سی گئی۔

"بس اگلی گلی میں...." ہاشم نے خفت زدہ انداز سے اسے تسلی دی۔

وہ اس وقت ملتان سے ایک لمبا سفر کر کے کراچی ہاشم کے ایک دوست کے پاس کچھ دن رہنے کے لیے آئے تھے۔ ہاشم کا خیال تھا کہ کراچی میں لوگوں کا ایک سمندر آباد ہے اور وہ دونوں بھی کچھ عرصے کے لیے اسی سمندر میں گم ہو جائیں' تاکہ اس واقعے پر جب گرد پڑ جائے اور لوگ بھول بھال جائیں تب وہ دونوں لاہور شفٹ ہو جائیں گے۔ اس وقت ان دونوں کو صرف بختاور کے والدین کی ٹینشن تھی۔ ہاشم کا خیال تھا کہ وہ لوگ اتنی آسانی سے ہار نہیں مانیں گے۔ جب کہ وہ اپنے خاندان کی طرف سے بے فکر تھا کیونکہ وہ اسے کافی سال پہلے اپنے گھر سے بے دخل کر چکے تھے۔

"اف.....!" چلتے چلتے بختاور کو ایک زوردار ٹھوکر لگی۔

"کہاناں' ذرا سنبھل کر....." ہاشم نے جلدی سے اٹیچی کیس ایک طرف رکھا اور فکر مند انداز سے بختاور کے انگوٹھے کا معائنہ کیا' شکر تھا کہ خون نہیں نکلا تھا۔ وہ کچھ لمحے اس کے ساتھ بیٹھا' اس کا انگوٹھا مسلتا رہا۔

"زیادہ درد تو نہیں ہو رہا....." ہاشم کو اس کی بہت فکر تھی۔

"نہیں' بس چلیں' اردگرد کے لوگ عجیب نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔" بختاور فوراً کھڑی ہوئی۔

وہ دونوں کچھ لوگوں سے ایڈریس پوچھتے ہوئے ہاشم کے دوست کے گھر تک پہنچ ہی گئے تھے۔ وہ کوئی دو ڈھائی مرلے کا ایک بوسیدہ' شکستہ اور بدحال سا مکان تھا' جس کی دوسری منزل پر ہاشم کا دوست صفدر کرائے پر رہتا تھا۔ راستے میں آتے ہوئے ہاشم ہی نے بختاور کو بتایا تھا کہ اس کی صفدر سے کالج کے زمانے سے بہت دوستی تھی اور صفدر کے کراچی شفٹ ہو جانے کے بعد دونوں کا فون پر ہی رابطہ رہتا تھا۔

"آپ کا دوست اس گھر میں رہتا ہے....." بختاور

تنگ اور تاریک سی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے حیرانی سے بولی۔ سیڑھیوں کا فرش جگہ جگہ سے اکھڑا ہوا اور اس پر کبوتروں اور مرغیوں کا فضلہ جما ہوا تھا' ایسا لگتا تھا جیسے ایک طویل عرصے سے کسی نے ان سیڑھیوں کی صفائی کرنے کی زحمت نہ کی ہو۔

"میں تو خود پہلی دفعہ اس کے پاس آیا ہوں' اس سے پہلے تو وہ ملتان میں رہتا تھا۔" ہاشم نے شرمندگی سے وضاحت دی' اسے خود اندازہ نہیں تھا کہ صفدر کے معاشی حالات اس قدر کمزور ہوں گے۔ یونیورسٹی دور میں تو خاصا خوشحال لگتا تھا۔

ہاشم کے دوست نے ان دونوں کا بہت گرم جوشی سے استقبال کیا تھا۔ چھوٹے سے برآمدے کے سامنے دو کمرے تھے۔ جو اس وقت صفائی کرنے کے باوجود بھی میلی دیواروں اور اکھڑے ہوئے فرش کی وجہ سے گندے ہی لگ رہے تھے' گھر چھوٹا تھا اور اس میں کاٹھ کباڑ زیادہ جمع کر رکھا تھا۔ بختاور نے بے یقینی سے اس سارے گھر کا جائزہ لیا۔

"بس یار! فادر کی وفات کے بعد ہم لوگ بہت کرائسس میں آگئے تھے' مجبوراً" مجھے ملتان چھوڑ کر کراچی آنا پڑا۔" ہاشم کے دوست نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے خود ہی اسے بتایا۔

"تمہاری بھابھی آج کل چوتھے بچے کی ڈلیوری کے لیے ملتان گئی ہوئی ہیں' اس لیے میں نے تمہیں اپنے گھر رہنے کی آفر کر دی' ورنہ تم نے میرا غریب خانہ دیکھ ہی لیا ہے' جہاں میں اپنی بیوی اور تین بچوں کے ساتھ رہتا ہوں۔" وہ پلاسٹک کی پرانی سی ٹرے میں ان دونوں کے لیے بازار سے خریدا ہوا ناشتہ پلیٹوں میں ڈال کر لے آیا تھا اور اب ہاشم کے ساتھ محو گفتگو تھا۔

بختاور منہ ہاتھ دھونے کے بہانے کمرے سے نکلی تو اس نے گھر کا جائزہ لیا۔ برآمدے کے ایک کونے میں واش روم اور دوسرے کونے میں چھوٹا سا کچن تھا۔ صفدر بھائی کے کمرے کے ساتھ شاید بچوں کا کمرہ تھا جہاں بوسیدہ سے دو بستے' پھٹی پرانی کتابیں اور پلاسٹک کے کھلونے بکھرے ہوئے تھے۔ بختاور جلدی سے واش روم کے باہر لگے بیسن کی طرف بڑھ گئی جس کا نل خراب تھا' پاس ہی پلاسٹک کی بالٹی میں پانی بھر کر رکھا ہوا تھا۔

وہ منہ ہاتھ دھو کر واپس کمرے میں آئی تو ہاشم کا دوست کچن میں جا چکا تھا۔ اس دفعہ بختاور نے اس کمرے کا بھی غور سے جائزہ لیا۔ بیڈ پر ایک میلی سی بیڈ شیٹ بچھی ہوئی تھی' جس کا رنگ کثرت دھلائی کی وجہ سے جگہ جگہ سے اڑ گیا تھا اور شاید اسی بیڈ شیٹ پر بیٹھ کر کھانا بھی کھایا جاتا تھا اس لیے جگہ جگہ چکنائی کے بڑے بڑے داغ لگے ہوئے تھے۔ دو چھوٹے چھوٹے کمروں پر مشتمل یہ بوسیدہ سا چوبارہ بختاور کے گھر کی کوٹھی کے سرونٹ کوارٹر سے بھی چھوٹا تھا۔

"لگتا ہے بے چارے کے مالی حالات بہت خراب ہیں..." ہاشم اپنا بیگ کھول کر صاف ستھرا سا تولیہ نکالتے ہوئے بولا۔

"تو کیا ضرورت تھی اس بے چارے کو تنگ کرنے کی..." بختاور کو اس ماحول سے عجیب سی بیزاری محسوس ہو رہی تھی اور جو اس کے لہجے میں بھی اب خود بخود آگئی تھی۔

"تو کہاں رہتے...؟" ہاشم پرسکون انداز میں اس کے پاس آن کھڑا ہوا۔

"کسی ہوٹل میں..." بختاور کے ذہن میں جو پہلا خیال آیا اس نے فوراً" زبان سے ادا بھی کر دیا۔

"کسی اچھے ہوٹل کا ایک دن کا کرایہ معلوم ہے تمہیں..." زمانے کی سفاک حقیقتیں اپنا منہ کھول چکی تھیں۔ اس کے ساتھ ہی بختاور کا بھی منہ کھل گیا۔

"کچھ دن تو رہ سکتے تھے ناں..." بختاور ایک دم شرمندہ سی ہوئی۔

"دیکھو بختاور! میں نے تمہیں پہلے ہی کہا تھا کہ میرے ساتھ زندگی اتنی آسان نہیں ہوگی۔" ہاشم نے اسے یاد دلایا لیکن بختاور بھول گئی تھی کہ اپنے کروڑپتی باپ کے بنگلے میں بیٹھ کر زندگی کی ایسی مشکلات کا اندازہ وہ کیسے کر سکتی تھی۔ اس لیے ہاشم کی بات پر وہ

افسردگی سے سر جھکا کر بیٹھ گئی۔ ہاشم کو اس کا افسردہ انداز تاسف میں مبتلا کر گیا۔

"تم ٹینشن مت لو' دو چار دن میں صفدر ہمارے لیے کسی کرائے کے گھر کا بندوبست کر دے گا۔ اس وقت تک یہاں رہنا ہماری مجبوری ہے۔" ہاشم نے اسے تسلی دی۔

"لیکن ان سے کہیے گا کہ ہمارے لیے اس محلے میں گھر مت ڈھونڈیں۔" بختاور نے ہلکا سا جھجک کر ہاشم کو مشورہ دیا۔

"چلو' دیکھتے ہیں۔۔۔" ایک مبہم سی مسکراہٹ ہاشم کے لبوں پر ابھری اور پھر معدوم ہو گئی۔

"میں بھی ہاتھ منہ دھو آؤں' پھر بیٹھ کر ناشتہ کرتے ہیں۔" ہاشم تولیہ لے کر کمرے سے باہر نکل گیا۔ بختاور نے پریشان انداز سے ٹرے میں رکھے ناشتے کو دیکھا' ٹھنڈی پوریاں' بے تحاشا تیل میں پکائے ہوئے سفید چنے اور کالی سیاہ چائے' جس میں دودھ کے شاید چند قطرے ہی ڈالے گئے تھے۔

"تم ناشتہ کیوں نہیں کر رہی ہو۔۔۔" ہاشم فریش ہو کر کمرے میں آیا تو بختاور کسی سوچ میں گم تھی۔

"آپ کا انتظار کر رہی تھی۔۔۔" وہ زبردستی مسکرائی اور پھر مجبوراً" ہاشم کے ساتھ مل کر چھوٹے چھوٹے لقمے لینے لگی۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ ہر محبت کی کہانی کے اختتام پر زندگی پھولوں کی سیج نہیں ہوتی۔ بعض دفعہ قسمت صرف کانٹوں کا ہی فرش بچھا دیتی ہے۔ جس پر ننگے پاؤں چلنا پڑتا ہے۔



بڑے ابا کی طبیعت اکثر ہی خراب رہنے لگی تھی۔ نہ تو ان کی شوگر کنٹرول میں آ رہی تھی اور نہ ہی بلڈ پریشر۔ ان کے جو بھی ڈاکٹر دوست ان سے ملنے آ رہے تھے' وہ انہیں سختی سے آرام کی تلقین کر رہے تھے۔ مجبوراً" انہیں کچھ دن گھر میں رہنا پڑ رہا تھا اس لیے ان کا مزاج اکثر ہی برہم رہتا تھا۔ بڑی اماں ان کے لیے پرہیزی سوپ بنا کر لائیں تو انہوں نے پینے سے صاف انکار کر دیا۔

"تھوڑا سا تو لیں' اس کے بعد آپ نے میڈیسن بھی لینی ہے۔" ان کی بیگم نے اصرار کیا۔

"کہا ناں' دل نہیں کر رہا۔۔۔" ان کی ضد بڑی اماں کو سخت ناگوار گزر رہی تھی۔

"چھوڑ دیں اب دل کا ماننا' یہ انسان کو صرف خوار ہی کرتا ہے۔" وہ حد درجہ کوفت کا شکار تھیں۔ جس کا اندازہ ان کی باتوں سے ہو رہا تھا۔

"تو دماغ کی مان کر کون سا کیس توپوں کی سلامی ملتی ہے انسان کو۔" وہ بھی طنزیہ انداز میں گویا ہوئے۔

ماہیر جو کسی کام کے سلسلے میں بڑی اماں کو ڈھونڈتا ہوا ادھر آنکلا تھا۔ اندر کا منظر دیکھ کر مسکرایا۔ بڑی اماں نے ایک نیپکن' بڑے ابا کے گلے میں اٹکا رکھا تھا اور اب زبردستی انہیں سوپ پلانے کی مشقت کر رہی تھیں۔

"برا مت مانیے گا جلال صاحب' عمر گزر گئی آپ کی لیکن نخرے آپ کے ابھی بھی نوجوان لڑکوں کی طرح ہیں۔" بڑی اماں جل کر بولیں' ماہیر کو ہنسی آگئی۔

"بڑی اماں' ادھر دیں یہ باؤل' میں پلاتا ہوں انہیں" ماہیر ان کی مدد کو آگے بڑھا۔

"میں نے کہا ناں' میرا دل نہیں چاہ رہا۔۔۔" ماہیر کو دیکھ کر ان کی آواز کچھ مدھم ہوئی۔ جب کہ بڑی اماں نے شکایتی نگاہوں سے ماہیر کی طرف دیکھا۔

"بڑی اماں ادھر دیں' میں پلاتا ہوں بڑے ابا کو' آپ اتنے غصے سے کہیں گی تو کس کا دل کرے گا۔" وہ فوراً" ہی ان کی مدد کو پہنچا۔ بڑی اماں نے فوراً" پیالہ ماہیر کی جانب بڑھا دیا۔

"بڑے ابا! چلیں شاباش فوراً" منہ کھولیں' جتنی جلدی پی لیں گے' بڑی اماں کے عتاب سے بچ جائیں گے۔" ماہیر کے ہلکے پھلکے انداز پر انہوں نے بے چینی سے پہلو۔

"نام تو میرا جلال ہے اور جلالی نگاہوں سے دیکھنے کا ٹھیکہ انہوں نے سنبھال رکھا ہے۔" وہ چڑ کر بولے تو بڑی اماں کے ساتھ ساتھ ماہیر کے لبوں پر بھی

مسکراہٹ آگئی اور کمرے میں داخل ہوتی بینش نے یہ منظر خاصی ناگواری سے دیکھا تھا۔

"السلام علیکم..." انہوں نے بادل نخواستہ سب کو مشترکہ سلام کا فریضہ نبھایا۔

"وعلیکم السلام...!" ماہیر نے بڑی خوش دلی سے جواب دیا۔ "بڑی اماں، آپ بینش پھپھو کے لیے بھی سوپ لے کر آئیں ناں۔" ماہیر کے معنی خیز لہجے میں چھپے طنز کو بینش نے فوراً ہی محسوس کیا۔ اس نے پہلی دفعہ ان کے لیے "پھپھو" کا لفظ استعمال کیا تھا۔

"میں تمہاری پھپھو نہیں ہوں..." انہوں نے یہ جملہ خاصا چبا کر کہا تھا۔

"لیں، آپ میرے پاپا کی فرسٹ کزن ہیں اور اس حوالے سے میری پھپھو ہی ہوئیں ناں، کیوں بڑے ابا!" ماہیر کا جتاتا ہوا انداز بینش کو اندر تک سلگا گیا۔ یہ تو عافیت ہی رہی کہ بڑے ابا نے اس موضوع پر اظہار خیال کرنے سے اجتناب ہی برتا۔

"کچھ ایسا غلط بھی نہیں کہہ رہا ماہیر..." بڑی اماں ہمیشہ کی طرح فوراً اس کی مدد کو لپکیں۔ "تم تیمور کی چچا زاد بہن ہو، اس حوالے سے رشتہ تو یہی بنتا ہے۔" بڑی اماں کو لفظ "بہن" کہنے میں خاصا لطف آیا تھا، تب ہی تو انہوں نے مسکراتی آنکھوں سے ماہیر کی طرف دیکھا، جو بڑی محبت سے بڑے ابا کو سوپ پلا رہا تھا۔

"تائی اماں! یہ بہن بھائیوں کے رشتے جب اللہ نے آسمانوں سے مجھے نہیں دیے تو میں نے بھی انہیں زمین پر بنانے کی کبھی کوشش نہیں کی۔" وہ ضبط کے کڑے مراحل سے گزری تھیں۔

"خیر، ایسی بھی کوئی بات نہیں، بہناپا تو تم نے بھی جوڑا تھا کسی سے۔" ان کے طنزیہ انداز پر بینش کے چہرے کی رنگت متغیر ہوئی، ماضی کی تلخ یادیں ذہن کے دریچوں پر روشن ہوئی تھیں۔ کمرے کا ماحول ایک دم ہی سرد ہو گیا۔

"بڑے ابا، یہ ایک پیشنٹ کی فائل ہے میرے پاس، جب ٹائم ملے اسے دیکھ لیجیے گا۔" بینش نے بہت جلدی خود کو سنبھالتے ہوئے فائل بڑے ابا کی جانب بڑھائی، جو ماہیر نے راستے میں ہی اچک لی۔

"ہرگز نہیں بڑے ابا! جب تک آپ ٹھیک نہیں ہو جاتے، کوئی کام شام نہیں چلے گا۔" ماہیر کی بات پر بینش کو آگ ہی تو لگ گئی۔

"یہ میرا اور بڑے ابا کا معاملہ ہے اس میں کسی تیسرے بندے کو بولنے کی ضرورت نہیں۔" انہوں نے آگے بڑھ کر اپنی فائل ماہیر کے ہاتھ سے تقریباً کھینچی ہی تھی، ایک لمحے کو تو ماہیر کو بھی سانپ سونگھ گیا۔

"میں کوئی تیسرا بندہ نہیں ہوں، یہ بات اب تک آپ کو سمجھ آجانی چاہیے تھی۔" ماہیر کے جتاتے ہوئے انداز پر بینش کا چہرہ سرخ ہوا۔

"فائل مجھے دو بینش..." بڑے ابا نے گفتگو میں مداخلت کی۔

"ہاں۔ آرام مت کیجیے گا، یہی کام کر کر کے تو حالت خراب کر رکھی ہے آپ نے۔" بڑی اماں جل کر بولیں۔

"خدانخواستہ اب ایسا بھی کوئی بستر مرگ پر نہیں ہوں..." انہوں نے سائیڈ میز سے اپنا چشمہ اٹھا کر لگایا اور فائل میں لگی رپورٹس کو پڑھنا شروع کر دیا۔

بڑی اماں غصے سے کمرے سے نکل گئیں، بینش کو یقین تھا کچھ ہی لمحوں کے بعد ماہیر بھی میدان چھوڑ کر بھاگ جائے گا، اس لیے انہوں نے جان بوجھ کر بڑے ابا کے ساتھ اپنے مریض کی ہسٹری ڈسکس کرنا شروع کر دی۔

ماہیر جو بڑے ابا کے بیڈ پر ان کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا، اس نے اطمینان سے تکیے سے ٹیک لگائی اور اپنے سیل فون پر بڑے مزے سے کینڈی کرش کھیلنا شروع کر دیا۔ ڈاکٹر بینش دو گھنٹے تک میڈیکل کے مختلف موضوعات پر ان سے گفتگو کرتی رہیں لیکن ماہیر نے بھی آج ڈھٹائی کے ریکارڈ قائم کرنے کا فیصلہ کر رکھا تھا، وہ بڑی دلچسپی سے اپنے سیل فون کی اسکرین پر نظریں جمائے بیٹھا ہوا تھا، تنگ آکر بینش جانے کے لیے کھڑی ہو گئیں۔

"آپ جا رہی ہیں کیا؟" ماہیر نے معصوم بن کر پوچھا تو بینش ایک دفعہ پھر دل ہی دل میں تپ کر رہ گئیں۔

"ظاہر ہے.... میں کئی کئی گھنٹے تایا ابا کے سر پر سوار ہو کر تو نہیں بیٹھ سکتی۔ انہوں نے آرام بھی کرنا ہوتا ہے۔" انہوں نے اس پر طنز کیا۔ جیسے ماہیر نے بڑی خوش دلی سے سہا تھا۔ اسے نہ جانے کیوں بینش کو چڑانے میں مزہ آتا تھا۔

"یہی بات میں بھی پچھلے دو گھنٹے سے سوچ رہا تھا۔" وہ مسکراتے ہوئے مزید گویا ہوا۔ "خیر.... بڑے ابا میں ذرا بینش پھپھو کو ان کے پورشن تک چھوڑ آؤں، پھر آکر شطرنج کی بازی جماتے ہیں۔" اس کے ایک دفعہ پھر "پھپھو" کہنے پر بینش کا چہرہ غصے سے سرخ ہوا۔

"نو تھینکس.... اس کی ضرورت نہیں۔" وہ سپاٹ لہجے میں کہہ کر کمرے سے نکل گئیں۔ ماہیر اپنے سر پر ہاتھ پھیر کر رہ گیا۔ جبکہ بڑے ابا خود بھی آنکھیں بند کر کے لیٹ گئے تھے۔ اس لیے ماہیر نے بھی مناسب یہی سمجھا کہ وہ ان کا کمرہ خالی کر دے۔



شانزے اپنے آفس کے کام میں بری طرح الجھی ہوئی تھی، جب انٹر کام پر ماہیر نے اسے نئے پروجیکٹ کی فائل لانے کے لیے کہا۔

شانزے نے جلدی سے اپنے کمپیوٹر سے نگاہیں ہٹائیں اور سائیڈ میز سے مطلوبہ فائل نکال کر بڑے مصروف انداز سے اندر پہنچی۔ ماہیر اپنے کسی نئے پروجیکٹ کے حوالے سے اس کمپنی کے مینجنگ ڈائریکٹر سے میٹنگ کرنے میں مصروف تھا۔

شانزے جیسے ہی اندر داخل ہوئی، وہ دونوں باقاعدہ کسی بحث میں مگن تھے۔ ماہیر کے کلائنٹ کی پشت شانزے کی طرف تھی اور ماہیر کی تمام تر توجہ بھی اسی کی جانب مبذول تھی، جو ہاتھ میں کچھ تصویریں پکڑے ان کا تنقیدی نگاہوں سے جائزہ لینے میں مگن تھا۔

"آئی ایم سوری ماہیر صاحب! اس میں سے کوئی بھی فیس مجھے اپنے ایڈ کے لیے مناسب نہیں لگ رہا۔" اس شخص نے ہاتھ میں پکڑے کچھ فوٹو بے زاری سے ماہیر کی میز پر رکھے اور اپنی دونوں کہنیاں میز پر ٹکا کر بڑی فرصت سے بیٹھ گیا۔

"دیکھیں یاور صاحب.... میں آپ کو اس وقت ٹاپ کلاس ماڈلز کے فریش شوٹ تک دکھا چکا ہوں، مجھے سمجھ میں نہیں آرہا، آپ کو کیسا چہرہ چاہیے۔" ماہیر بھی اس دو ڈھائی گھنٹے کی میٹنگ کے بعد جھنجلاہٹ کا شکار ہو چکا تھا۔

"میں نے تو آپ سے آتے ہی کہا تھا، مجھے ٹاپ کلاس ماڈل نہیں، ایک فریش اور حسین چہرہ چاہیے۔ ہم لوگ نئی لان، مارکیٹ میں انٹروڈیوس کروانا چاہتے ہیں، کسی نئے فیس کے ساتھ....." ان صاحب کی اپنی ایک منطق تھی۔ اسی دوران ماہیر، شانزے کی طرف متوجہ ہوا۔

"شانزے، تم ذرا یاور صاحب کو عینا صدیقی کا شوٹ دکھانا، یہ ایک نیا چہرہ ہے۔" ماہیر نے جیسے ہی شانزے کو مخاطب کیا، یاور صاحب نے بے ساختہ پیچھے مڑ کر شانزے کی طرف دیکھا اور ان کی پہلی نظر ہی پلٹنا بھول گئی۔ ہلکے کاسنی رنگ کے نیٹ کے سوٹ میں شانزے کی شہابی رنگت دمک رہی تھی اور آنکھوں پر لگا بلیو کلر کا لائنر اس کی بڑی بڑی خوب صورت آنکھوں کے تاثر کو مزید اجاگر کر رہا تھا۔ "مجھے بالکل ایسی ہی لڑکی چاہیے اس ایڈ میں...." یاور صاحب کے پُرجوش انداز پر شانزے پزل ہوئی اور ماہیر کے چہرے پر ناگواری کا تاثر بڑی قوت سے ابھرا۔

"یاور صاحب یہ میری اسسٹنٹ ہیں شانزے اور یہ ماڈلنگ نہیں کرتیں۔" ماہیر کو ان کی بے تکلفی سے زیادہ بے باکی کوفت میں مبتلا کر گئی۔ وہ ابھی تک اپنی پُرشوق نگاہیں شانزے کے صبیح چہرے پر ٹکائے ہوئے تھے۔ جو کبھی پریشانی سے ماہیر کی طرف اور کبھی یاور صاحب کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"تو کیا ہوا، ہم ان کو ان کی ڈیمانڈ پر پے کریں

گے۔" انہوں نے مجبوراً" اپنی نظریں شانزے سے ہٹا کر ماہیر کی جانب دیکھا۔ وہ ضبط کے کڑے مراحل سے گزر رہا تھا' اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ شانزے کو چٹکی بجا کر یہاں سے غائب کر دے۔

"یاور صاحب پلیز ڈونٹ مائنڈ' ہر انسان کی اپنی کچھ ویلیوز اور لمٹس ہوتی ہیں اور ضروری نہیں ان کی کوئی قیمت ہو۔" ماہیر کو ایک دم ہی غصہ آیا۔

"پلیز آپ شانزے سے تو پوچھ لیں۔" یاور صاحب نے ملتجی نظروں سے شانزے کی طرف دیکھا۔

"جب میں آپ سے کہہ رہا ہوں۔۔۔" ماہیر کا مزاج برہم ہوا۔ اس سے پہلے کہ وہ یاور کو مزید کچھ کہتا' شانزے نے اسے حیران کر دیا۔

"میں ان کے ایڈ میں ماڈلنگ ضرور کروں گی۔" شانزے کی بات پر ماہیر کے دل میں چھن سے کچھ ٹوٹا' اس نے حیرانی' بے یقینی اور صدمے سے اپنے سامنے کھڑی لڑکی کو دیکھا جو بڑے پُرجوش انداز سے اسے نظر انداز کیے یاور صاحب سے اشتہار کی تفصیلات پوچھ رہی تھی۔ ماہیر کے اندر کوئی آتش فشاں ہی تو پھوٹا تھا۔ اس کی آنکھیں ضبط کی کوشش میں لال ہو گئیں۔

"ایکسکیوزمی۔۔۔" وہ ایک جھٹکے سے اٹھا اور آفس سے نکل گیا۔ شانزے نے حیرانگی سے اسے نکلتے دیکھا اور پھر لاپروائی سے کندھے اچکا کر یاور صاحب کی طرف متوجہ ہو گئی۔

★ ★ ★

"یقین مانو' میرا دل کر رہا تھا میں اسے شوٹ کر دوں۔" ماہیر' اس وقت سرمد کے آفس میں تھا اور مسلسل ٹہل ٹہل کر اپنا غصہ کم کرنے کی کوشش کر رہا تھا' جبکہ شانزے کی یہ حرکت سرمد کو بھی اچھی نہیں لگی تھی' لیکن اس وقت ماہیر کے سامنے کچھ کہنا اسے مزید مشتعل کرنے کے مترادف تھا۔

"میں نے تمہیں بتایا نا' شانزے کو شوبز میں آنے کا کریز ہے۔۔۔" سرمد نے محتاط انداز میں اسے بتانے کی کوشش کی۔

"بھاڑ میں گیا ایسا فضول کریز' جب میں اسے کہہ رہا تھا' یہ ماڈلنگ نہیں کرے گی تو اس کے سامنے بکواس کرنا ضروری تھا کیا۔" وہ ایک دم بھڑکا۔

"ٹیک اٹ ایزی یار۔۔۔" سرمد نے اسے بازو سے پکڑ کر کرسی پر بٹھایا۔

"وہ الو کا پٹھا۔۔۔ یاور میری طرف ایسے دیکھ رہا تھا جیسے میں کوئی گدھا ہوں' جسے یہ اندازہ نہیں کہ پیسے میں کتنی طاقت ہے۔" وہ پتھریلے لہجے میں غرایا' سرمد نے پہلی دفعہ اسے اتنے غصے میں دیکھا تھا۔

"میں نے کہا نا یار۔۔۔ پیسہ اس کا پرابلم نہیں ہے۔ وہ صرف اپنا شوق پورا کرنا چاہ رہی ہے۔" سرمد نے اس کا غصہ ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔

"تو شوق پورا کرنے کے لیے اسے وہ گھٹیا انسان یاور ہی ملا تھا۔ جو گدھ کی طرح اسے دیکھ رہا تھا۔" ماہیر کی آنکھوں سے خون چھلکا۔

"میں اسے سمجھانے کی کوشش کروں گا۔" سرمد نے اسے تسلی دینے کی کوشش کی۔

"ہاں۔۔۔ وہ تو جیسے سمجھ ہی جائے گی۔" ماہیر متنفر انداز میں گویا ہوا۔ اسی لمحے شانزے بڑے پُرجوش انداز میں سرمد کے آفس میں داخل ہوئی' وہ اسے یاور کے اشتہار کے بارے میں بتانا چاہتی تھی۔ جیسے ہی اس نے سرمد کے آفس میں قدم رکھا' سامنے بیٹھے ماہیر کو دیکھ کر وہ جھجک کر رک گئی۔ ماہیر جو پانی کا گلاس منہ سے لگائے اپنے اندر بھڑکتی آگ کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ شانزے کو خوش دیکھ کر وہ الاؤ ایک دفعہ پھر بھڑک اٹھا۔ وہ غصے سے اٹھا' ایک سرد نگاہ شانزے پر ڈالی اور ہاتھ میں پکڑا گلاس میز پر اتنے زور سے رکھا کہ اس میں موجود پانی میز کی سطح پر چھلک گیا۔ وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا سرمد کے آفس سے نکل گیا۔

"ان کو کیا ہوا؟" شانزے نے الجھ کر سرمد کا سنجیدہ چہرہ دیکھا۔

"تم نے یاور کے ایڈ میں کام کرنے کی حامی کس سے پوچھ کر بھری ہے؟" سرمد پہلی دفعہ اس سے ناراض ہوا۔

"آپ کو اچھی طرح پتا ہے کہ مجھے شوبز میں آنے کا

کتنا جنون تھا۔ اب موقع ملا تو میں نے ہاں کہہ دی۔" شانزے نے گھبرا کر جلدی سے وضاحت کی۔

"تو ٹھیک ہے، پھر کوئی پرابلم ہو تو مجھ سے مدد مانگنے مت آنا۔" سرمد نے سرد انداز میں کہا اور اپنا والٹ اور سیل فون اٹھا کر ماہیر کے پیچھے ہی آفس سے نکل گیا۔ شانزے کو دھچکا سا لگا اور وہ کئی لمحے تک اپنی جگہ سے ہل نہیں سکی۔



"میں تو کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ سرمد بھائی مجھ سے ایسے خفا ہو سکتے ہیں۔" وہ جب سے ہوسٹل واپس آئی تھی، رباب کا سر کھا رہی تھی۔

"تمہیں وہ آفر قبول کرنے سے پہلے ان سے مشورہ کرنا چاہیے تھا نا۔" رباب نے مونگ پھلی کے دانے چھیلتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

"ہاں..... ٹھیک کہتی ہو۔" شانزے کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔

"صبح جا کر سرمد بھائی سے بات کر لینا۔" رباب نے اسے مشورہ دیا۔

"اوپر سے وہ ماہیر مجھے کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔" شانزے کو اچانک ہی یاد آیا۔

"سرمد بھائی کا غصہ کرنا تو بنتا ہے لیکن یہ ماہیر صاحب کی ناراضی میری سمجھ سے باہر ہے۔" رباب نے مونگ پھلی کھاتے ہوئے حیرت کا اظہار کیا۔

"نہیں تو اس بات پر غصہ آرہا ہو گا کہ ان کی اسسٹنٹ کو اتنی اچھی آفر کیوں مل گئی۔" شانزے نے منہ بنا کر کہا۔

"خیر دیکھنے میں تو وہ ایسا کم ظرف بندہ نہیں لگا تھا مجھے، جب تم نے مجھے ان سے ملایا تھا۔" رباب کو اچانک ہی یاد آیا کہ ایک دفعہ وہ شانزے کے ساتھ اس سے مل چکی تھی اور وہ اسے خاصا ڈیسنٹ اور سمجھ دار بندہ لگا تھا۔

"اب اتنی سی بات پر بھی کوئی خفا ہوتا ہے کیا۔" وہ سخت الجھن کا شکار تھی۔

"اسی بات پر تو غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے اور مجھے لگتا ہے شانزے....." رباب نے شرارتی انداز میں فقرہ ادھورا چھوڑا۔

"کیا لگتا ہے تمہیں؟" اس نے بے زاری سے اپنی سینڈل اتاری۔

"وہ جو ماہیر صاحب ہیں نا، انہیں تم سے کوئی محبت وحبت والا سین ہو گیا ہے۔" رباب کے شوخ لہجے پر شانزے ٹھٹکی، اس کے چہرے پر حیرت اور بے یقینی کے بڑے فطری سے رنگ پھیلے۔

"مجھے تو ایسا کبھی نہیں لگا۔" اس نے لاپروائی سے کہا اور چپل پہن کر واش روم کی طرف بڑھی۔ جو کاریڈور کے اختتام پر تھا۔ رباب نے بہت غور سے اس کا سادہ اور بے ریا چہرہ دیکھا۔

"تم مانو یا نہ مانو، بات یہی ہے۔" رباب کی ہنسی نے شانزے کے قدم روکے۔ اس نے پلٹ کر رباب کی طرف برہمی سے دیکھا۔ "ایسے ہی فضول باتیں مت کیا کرو، سمجھیں۔" اپنی بات کہہ کر وہ کمرے سے نکل آئی اور واش روم کی طرف جاتے ہوئے وہ رباب کی بات سر جھٹک کر اپنے دماغ سے نکال چکی تھی۔



بڑے ابا تو اکثر ہی بیمار رہنے لگے تھے لیکن یہ تو کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ آغا جی کو بیٹھے بٹھائے ہارٹ اٹیک ہو جائے گا۔ دل کے دورے کی نوعیت تو معمولی ہی تھی لیکن اس نے پورے گھر کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ خصوصاً" بینش کو تو ایک دفعہ اپنا ضبط فضاؤں میں تحلیل ہوتا محسوس ہوا تھا۔ آغا جی کو پورا ایک ہفتہ اسپتال میں رکھا گیا تھا اور ان ہی دنوں اوریدا کے سیکنڈ ایر کے پیپرز ہونے والے تھے۔ اس کے باوجود وہ روزانہ انہیں دیکھنے اسپتال جا رہی تھی۔ اس کی خوش قسمتی تھی کہ اس کا ایک دفعہ بھی ارصم سے سامنا نہیں ہوا تھا۔

"بھئی اپنے دادا سے کہو..... مجھے اب گھر شفٹ کر دے۔" وہ اس دن بڑی اماں کے ساتھ ان کے لیے

پھل اور پرہیزی کھانا لے کر آئی تو آغاجی نے اسے دیکھتے ہی ہلکے پھلکے لہجے میں فرمائش کردی۔

"ہاں۔۔۔ ہماری بات تو جیسے وہ مان ہی لیں گے۔" بڑی اماں کے ناک چڑھانے پر وہ مسکرائے۔

"آغاجی۔۔۔ پلیز جلدی سے ٹھیک ہوجائیں، میرے ایگزام ہونے والے ہیں۔" اوریدا نے محبت بھرے انداز سے ان کا ہاتھ تھام کر فرمائش کی۔

"تو تمہارے ایگزام کا مجھ سے کیا تعلق؟" وہ حیران ہوئے۔

"میرا سارا دھیان تو آپ کی طرف لگا رہتا ہے۔ پڑھائی کیا خاک کروں گی۔" اوریدا کو اپنے ہنس مکھ اور دوستانہ انداز رکھنے والے آغاجی سے خصوصی لگاؤ تھا۔

"ارے۔۔۔ یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں، چلو کچھ کرتے ہیں۔" انہوں نے محبت بھرے انداز سے اسے تسلی دی۔

"یہ ارصم نظر نہیں آرہا، کہاں ہے وہ۔۔۔؟" بڑی اماں نے دائیں بائیں دیکھ کر پوچھا۔

"اس کی کوئی کلاس فیلو میری عیادت کے لیے آرہی تھی۔ اسے ہی ریسیو کرنے گیا ہے پارکنگ تک۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے اوریدا کا سکون غارت کیا۔

"ایسی کون سی خاص کلاس فیلو تھی جسے ریسیو کرنے وہ پارکنگ میں پہنچ گیا۔" بڑی اماں نے اپنے مخصوص انداز میں کہا تو آغاجی بے ساختہ ہنس دیے۔ اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتے، دروازہ کھلا، ارصم کے ساتھ مسکراتی ہوئی زرش کو دیکھ کر اوریدا کو ہمیشہ کی طرح جھٹکا لگا۔ ان دونوں کے پیچھے ڈاکٹر بینش بھی مسکراتی ہوئی اندر داخل ہوئیں۔ بڑی اماں اور اوریدا کو دیکھ کر وہ ہلکا سا ٹھٹکیں اور پھر لاپروائی سے سلام کرکے آغاجی کی میڈیسن کا چارٹ دیکھنے لگیں۔

"آغاجی۔۔۔ یہ میری کلاس فیلو ہے زرش، آج کل کنگ ایڈورڈ لاہور میں میڈیکل کی اسٹوڈنٹ ہے۔" ارصم نے لاپروائی سے اس کا تعارف کروایا۔

"ہائے اوریدا۔۔۔ کیسی ہو تم؟" جبکہ بڑی اماں بڑی جانچتی ہوئی نگاہوں سے اس لڑکی کو دیکھ رہی تھیں جو بینش کے ساتھ چپکی جارہی تھی۔

"زرش تم تو دن بہ دن بہت اسٹائلش اور خوب صورت ہوتی جارہی ہو۔" آنٹی بینش کا مصنوعی لہجہ اوریدا کا دل جلا گیا۔ اس نے دانستہ طور پر زرش سے نظر ہٹائی اور کھڑکی کے باہر دیکھنے لگی۔ کافی عرصے سے اس کے اور ارصم کے درمیان بات چیت بالکل ختم ہوچکی تھی۔ ایک محسوس کی جانے والی اجنبیت اور بے رخی کی دیوار ان کے درمیان حائل ہوچکی تھی۔

"بڑی اماں میں دیکھ کر آتی ہوں کہ گاڑی آگئی یا نہیں" وہ فوراً" کمرے سے باہر نکل گئی اس کی آنکھوں کے سامنے دھندلے پانی کی چادر تن گئی۔

"ارے ارصم۔۔۔ دیکھ آئے گا نا۔۔۔" اس نے کمرے سے باہر نکلتے ہوئے آغاجی کا جملہ سنا تھا۔ لیکن اس کے باوجود وہ رکی نہیں۔ ارصم کا دل مضطرب ہوا، وہ جانتا تھا کہ وہ کس وجہ سے اس کمرے سے نکلی ہے۔

"میں دیکھ کر آتا ہوں۔۔۔" وہ بھی اوریدا کے پیچھے ہی کمرے سے نکلا۔ وہ اس سے کافی فاصلے پر تھی اور وقفے وقفے سے آستین سے اپنی آنکھوں کو رگڑ رہی تھی۔ ارصم کو اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ رو رہی ہے۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے اس کے پیچھے جارہا تھا۔

اسی دوران کوریڈور کے دوسری جانب سے آتی طیبہ آنٹی اور سرمد کو دیکھ کر اس کے پاؤں سست ہوئے اور وہ لوگ بھی اسے دیکھ چکے تھے لیکن اب اوریدا سے مل رہے تھے، جو خود کو سنبھال چکی تھی۔

"کیا آغاجی کی طبیعت زیادہ خراب ہے۔" طیبہ اوریدا کی بھیگی آنکھیں دیکھ کر پریشان ہوئیں۔

"نہیں پھپھو، ایسی تو کوئی بات نہیں، وہ بہت بہتر ہیں۔" اوریدا نے رنجیدہ لہجے میں جواب بھی دیا ارصم وہاں پہنچ چکا تھا اور اب سرمد سے مل رہا تھا۔

"پھر تم نے کیوں رو رو کر آنکھیں سرخ کر رکھی ہیں، پاگل نہ ہو تو۔۔۔" طیبہ نے بے ساختہ ہی اسے اپنے ساتھ لگا کر پیار کیا۔

"ماما آپ کو پتا ہے نا' چڑیا جتنا تو دل ہے اس کا۔" سرمد نے ہنستے ہوئے اسے چھیڑا اور ارصم نے کھڑے کھڑے کوفت بھرے انداز سے پہلو بدلا۔ اس کے چہرے پر پھیلی بے زاری' اب اوریدا کے لیے طمانیت کا باعث بن رہی تھی۔

"سرمد بھائی پلیز..... مجھے گھر چھوڑ آئیں' ڈرائیور تو پتا نہیں کب آئے گا۔" اوریدا نے کن انکھیوں سے ارصم کی طرف دیکھتے ہوئے فرمائش کی' سرمد کا چہرہ کھل اٹھا۔

"ہاں..... ہاں..... کیوں نہیں۔" سرمد کے بولنے سے پہلے ہی پھپھو طیبہ نے حامی بھرلی۔

"ارصم یار' تم ماما کو آغا جی کے کمرے میں لے جاؤ' میں اوریدا کو چھوڑ کر آتا ہوں۔" سرمد کی بات پر ارصم کا چہرہ ایک لمحے کو تاریک سا ہوا۔ وہ خالی نظروں سے اوریدا کو سرمد کے ساتھ جاتے ہوئے دیکھنے لگا۔ وہیں کھڑے کھڑے اس نے پہلی دفعہ خود سے تہیہ کیا تھا کہ وہ اب کبھی بھی اوریدا کے پیچھے نہیں جائے گا۔



پچھلے دو دن سے سرمد اور ماہیر آفس سے غائب تھے۔ شانزے نے آفس کے لوگوں سے پوچھا تو پتا چلا کہ ماہیر کے آغا جی اسپتال میں داخل ہیں اور اس کے کئی کولیگ ان کی عیادت کے لیے جاچکے تھے۔ کچھ سوچ کر شانزے نے بھی پھولوں کا بکے اور پھل لیے اور اپنی کولیگ سے پتا پوچھ کر چلی آئی۔

وہ اسپتال آ تو گئی تھی لیکن تذبذب کا شکار ہو رہی تھی کہ وہ کس طرح اپنا تعارف کروائے گی۔ اسی شش و پنج میں وہ کمرے کے باہر کھڑی تھی' جب سرمد اسے کوریڈور کے دوسری جانب سے آتا ہوا دکھائی دیا۔

"تم یہاں..... ؟ لیکن کیسے..... ؟" سرمد خوشگوار حیرت کا شکار ہوا۔ وہ بھول گیا تھا کہ وہ شانزے سے خفا ہے۔

"وہ میں نے سنا تھا کہ آپ کے دادا بیمار ہیں شاید۔" اس نے جھجک کر کہا۔

"دادا نہیں میرے نانا کے چھوٹے بھائی' اس لحاظ سے میرے بھی نانا ہوئے وہ۔" سرمد نے مسکراتے ہوئے تصحیح کی۔ "ویسے ہم سب انہیں آغا جی کہتے ہیں۔"

"میں ان سے مل سکتی ہوں۔" شانزے نے محتاط انداز سے پوچھا۔

"شیور..... وائے ناٹ....." وہ اسے ساتھ لے کر پرائیویٹ روم میں داخل ہوا۔ اس وقت وہاں بڑی اماں کے ساتھ اس کی والدہ موجود تھیں۔ وہ سرمد کے ساتھ آتی لڑکی کو دیکھ کر بے اختیار چونکیں۔ بڑی اماں نے بڑی خوف زدہ نگاہوں سے طیبہ کی طرف دیکھا۔ دونوں ہی اپنی اپنی جگہ پر بے چین ہوئی تھیں۔ دونوں کی نگاہیں شانزے کے چہرے پر مقناطیس کی طرح جمی ہوئی تھیں۔

"ماما' یہ شانزے ہے' میری بہت اچھی اور کیوٹ سی بہن....." وہ خوش دلی سے اس کا تعارف کرواتے ہوئے بولا۔

"کیسی ہو بیٹا آپ؟" طیبہ نے خود کو سنبھالتے ہوئے شانزے کا حال پوچھا۔

"میں ٹھیک ہوں آنٹی' آپ کے آغا جی کیسے ہیں؟" اس کا لہجہ بڑی اماں اور طیبہ دونوں کو ہی بے چین کر گیا۔

"وہ ٹھیک ہیں' نیند کا انجکشن لگایا ہے' اس لیے سو رہے ہیں' ورنہ میں آپ سے ضرور ملواتی۔" طیبہ پریشانی سے اسے دیکھتے ہوئے بولیں۔

"بیٹا..... پورا نام کیا ہے آپ کا؟" بڑی اماں سے زیادہ دیر تک صبر نہ ہوا تو پوچھ ہی بیٹھیں۔

"جی شانزے ابراہیم' ویسے میرے بابا کی ڈیتھ ہو چکی ہے۔" وہ بہت ہی میٹھی مسکان کے ساتھ گویا ہوئی۔ اس کے جواب پر بڑی اماں اور طیبہ دونوں کے چہروں پر بڑی بے ساختہ سی مایوسی پھیلی تھی۔ وہ کچھ دیر ان کے ساتھ بیٹھی ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہی' اسی دوران ماہیر مصروف انداز میں اندر داخل ہوا۔ شانزے کو دیکھ کر اسے خوشگوار حیرت کا جھٹکا لگا لیکن

اس نے بہت جلد خود کو سنبھال لیا تھا۔
"آغاجی کی طبیعت کیسی ہے اب؟" وہ شانزے کو نظر انداز کرکے سرمد سے مخاطب ہوا۔
"ان کی طبیعت کا تمہیں زیادہ پتا ہو گا تم ہی تو ان کے ڈاکٹر سے مل کر آرہے ہو۔" سرمد نے اس پر طنز کیا تو وہ اسے گھور کر رہ گیا۔
"ایسا کرو' شانزے کو اس کے ہاسٹل چھوڑ آؤ۔ میں ذرا آنٹی بینش کو دیکھوں' ماما لوگ گھر جانا چاہ رہے ہیں۔"
"میں ٹیکسی لے کر چلی جاؤں گی۔" شانزے کو ماہیر کے انداز سے چھلکتی ناراضی محسوس ہو گئی تھی۔
"ہرگز نہیں' شام کے وقت اکیلی لڑکی کا ٹیکسی میں جانا مناسب نہیں۔" بڑی اماں نہ چاہتے ہوئے بھی ٹوک گئیں۔ ان کے محبت بھرے انداز پر شانزے نے چونک کر ان کی جانب دیکھا۔ ایسے فکر مند لہجوں کی اسے کہاں عادت تھی۔
"نانو بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں شانزے' ماہیر تمہیں چھوڑ آئے گا۔" وہ ان دونوں کو کھل کر بات کرنے کا موقع دینا چاہتا تھا۔ شانزے ان سب سے مل کر ماہیر کے ساتھ کمرے سے نکلی تو سامنے سے آتے بڑے ابا کے ساتھ ٹکراتے ٹکراتے بچی' وہ ارصم کے ساتھ ابھی ابھی اسپتال پہنچے تھے۔ شانزے نے بوکھلا کر انہیں سلام کیا اس سے پہلے کہ ماہیر اس کا تعارف کرواتا' وہ کمرے میں داخل ہو گئے۔
"یہ میرے گرینڈ فادر تھے۔۔۔" ماہیر نے خفت زدہ لہجے میں وضاحت دی' اسے اندازہ نہیں تھا کہ بڑے ابا اس قدر رکھائی کا مظاہرہ کریں گے۔
"یہ لڑکی کون تھی۔۔۔؟" بڑے ابا نے کمرے میں داخل ہوتے ہی سپاٹ لہجے میں پوچھا۔
"بڑے ابا' میرے اور ماہیر کے آفس میں جاب کرتی ہے' آغاجی کی عیادت کرنے آئی تھی۔" سرمد نے بوکھلا کر وضاحت دی۔
"آپ لوگ کب جائیں گے گھر' خواہ مخواہ سے اسپتال میں جمگھٹا لگا رکھا ہے۔" وہ بڑی اماں کی طرف متوجہ ہوئے' انہیں نہ جانے کیوں غصہ آرہا تھا۔ ان کی بات پر بڑی اماں جھنجلا کر گویا ہوئیں۔ "ہم کون سا اپنے شوق سے بیٹھے ہیں' اگر نہ آتے تو آپ کی بھتیجی نے ہی منہ پھلا لینا تھا۔" بڑی اماں' ارصم کا بھی لحاظ کیے بغیر بولیں۔
"اچھا اچھا اب آپ سارے لوگ جائیں' میں اور ارصم رکیں گے یہاں۔۔۔" انہوں نے فوراً اگلا حکم صادر کیا۔
"ہاں خود تو بہت صحت مند ہیں جیسے۔۔۔" بڑی اماں کی بڑبڑاہٹ سب ہی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ لانے کا باعث بنی تھی۔



"آپ مجھ سے خفا ہیں ناں۔۔۔؟" ماہیر بڑی خاموشی سے گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا' جب شانزے نے جھجک کر اسے مخاطب کیا۔ اس کا دھیان ایک لمحے کو شانزے کی طرف ہوا۔
"تمہیں کون سا اس سے فرق پڑتا ہے۔" وہ دل جلے انداز سے بولا۔
"فرق تو پڑتا ہے۔" شانزے کی بے ساختگی اس کو چونکانے کا باعث بنی۔
"وہ کیسے۔۔۔؟" وہ حیران ہو کر بولا۔
"آپ غصے میں مجھے جاب سے بھی تو نکال سکتے ہیں۔" شانزے نے شرارتی انداز میں کہا۔
"یہی تو نہیں کر سکتا میں اور اسی چیز کا تم فائدہ اٹھاتی ہو۔۔۔" اس کے معنی خیز انداز پر شانزے کا دل بے اختیار دھڑکا' اس نے الجھ کر ماہیر کی جانب دیکھا۔ وہ بلا شبہ ایک ہینڈسم نوجوان تھا لیکن اسے جب سے اس نے غصے کی حالت میں دیکھا تھا' تب سے اس سے محتاط انداز میں بات کرنے لگی تھی' لیکن وہ اس بات کو سمجھنے سے ابھی تک قاصر تھی کہ اسے دیکھ کر اس کی دھڑکنیں بے ترتیب کیوں ہونے لگتی ہیں۔
"ایسی کوئی خوش فہمی نہیں مجھے۔۔۔" وہ سنبھل کر گویا ہوئی۔

"لیکن مجھے یہ غلط فہمی ضرور تھی کہ تم مجھے سرمد کی طرح ایک اچھا دوست سمجھتی ہو۔" اس نے فوراً" گلہ کیا۔

"سرمد بھائی کو میں دوست نہیں اپنا بھائی سمجھتی ہوں۔" اس نے فوراً" تصحیح کی۔ "اگر آپ کہیں تو...؟"

اس نے شرارت سے بات ادھوری چھوڑی۔

"نو تھینکس' میں ان منہ بولے رشتوں پر یقین نہیں رکھتا اور ویسے بھی اللہ نے مجھے ایک جذباتی اور لڑاکا سی بہن دے رکھی ہے۔" ماہیر نے منہ بناتے ہوئے وضاحت دی تو شانزے کی آنکھوں میں ایک دم کئی جگنو سے چمکے۔

"اوریدا کی بات کر رہے ہیں آپ...؟" شانزے نے مسکرا کر پوچھا تو وہ حیرانگی سے گویا ہوا۔ "تم کیسے جانتی ہو اسے؟"

"سرمد بھائی نے ایک دو دفعہ ملوایا ہے مجھے' ان کا کہنا ہے' میری شکل اوریدا سے بہت ملتی ہے۔" اس کی بات پر ماہیر کو ایک دم جھٹکا سا لگا' اور اس کی سمجھ میں آیا کہ وہ پہلی دفعہ اسے دیکھ کر کیوں الجھا تھا' کون سی ایسی مماثلت تھی جو اسے الجھن میں مبتلا کر رہی تھی۔

"ہاں تمہارا فیس کٹ اور آنکھوں کا کلر ایک جیسا ہے۔" وہ اب کھل کر مسکرایا تھا۔

"اچھا' اب بتائیں' آپ مجھ سے خفا کیوں تھے...؟"

شانزے کو اس کی مسکراہٹ سے حوصلہ ملا۔

"اس لیے کہ تم یاور جیسے چیپ اور تھرڈ کلاس انسان کے ساتھ کام کرنے کو تیار ہو گئی تھیں' حالانکہ میں اسے منع کر چکا تھا۔" ماہیر کو اس دن والا واقعہ یاد آیا تو پھر غصہ آ گیا۔

"آپ بھی تو اس کے ساتھ کام کر رہے تھے....."

شانزے کی زبان پھسلی تو ماہیر نے ناراضی سے اس کی طرف دیکھا۔ "میں نہیں' وہ میری ایڈورٹائزنگ ایجنسی کا کلائنٹ تھا اور تمہیں ذرا بھی اندازہ نہیں کہ میں یہ بات کیوں کر رہا ہوں؟"

"تو یہ ایڈ بھی تو آپ کی ہی ایجنسی بنا رہی ہے' اس لیے میں نے کہہ دیا۔" شانزے کو پہلی دفعہ اندازہ ہوا کہ وہ اس کے غصے سے گھبرا رہی ہے۔

"بس میں نے کہہ دیا ناں' تم اس ایڈ میں بالکل بھی کام نہیں کرو گی۔" اس کے دھونس بھرے انداز پر شانزے جھنجلا سی گئی۔

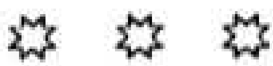
"اس لیے کہ میں آپ کے آفس میں جاب کرتی ہوں اور آپ کی اسسٹنٹ ہوں۔" اس کی بے تکی بات پر وہ زچ ہو گیا۔ "ہرگز نہیں۔"

"تو پھر...؟" شانزے حیران ہوئی۔

"اس لیے کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں پاگل لڑکی اور میں ہرگز نہیں چاہتا کہ کیمرے کی آنکھ تمہیں ایکسپوز کر کے تمہارے وجود کو اشتہارات پر سجا دے۔" اس نے محبت کا اظہار بڑے غصیلے انداز سے کیا۔ شانزے کو ایک دم کرنٹ لگا۔

اس نے پریشانی سے ماہیر کو دیکھا جو اس کے ہاسٹل کے سامنے گاڑی روک چکا تھا اور اب ناراضی سے دوسری جانب دیکھ رہا تھا۔

شانزے کی قوت گویائی سلب ہو کر رہ گئی۔ وہ بوکھلائے ہوئے انداز سے گاڑی سے اتری تو اس کا سر گاڑی کی چھت سے ٹکرایا لیکن وہ اسے سہلاتے ہوئے اپنے ہاسٹل کی طرف روانہ ہو گئی' اسے لگ رہا تھا جیسے وہ مڑ کر دیکھے گی تو پتھر کی ہو جائے گی۔



آپا صالحہ کی صحت خاصی گر گئی تھی لیکن اپنے ٹیسٹ کروانے پر وہ کسی صورت بھی آمادہ نہیں ہو رہی تھیں۔ تنگ آ کر عدینہ نے بھی ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا تھا۔ وہ جلد از جلد قرآن پاک حفظ کرنے میں مگن ہو گئی لیکن جیسے ہی اسے فرصت ملتی تو ذہن کے دریچوں پر کسی دکھ کا دیا جل اٹھتا۔ عبداللہ کی محبت آج بھی اس کے دل میں پوری آب و تاب کے ساتھ روشن تھی۔

اس وقت وہ اور مونا دونوں دوپہر کا کھانا کھا کر اپنے کمرے میں آئی تھیں۔ مونا نے آتے ہی ڈائجسٹ اٹھا لیا تھا اور ایک ناول پڑھتے پڑھتے وہ اس میں ایسی گم

ہوئی کہ آدھے گھنٹے کے بعد ہی سر اٹھا سکی۔ عدینہ' اپنے ہاتھ میں عبداللہ کی تصویر اٹھائے' خالی نظروں سے دیکھنے میں مگن تھی۔ مونا نے ڈائجسٹ ایک طرف رکھ دیا۔

"عدینہ باجی! عبداللہ بھائی یاد آتے ہیں آپ کو...؟" مونا نے جھجک کر پوچھا۔

"محبت کے چراغ کو کسی یاد کے تیل کی ضرورت نہیں پڑتی۔" اس نے ایک سرد آہ بھر کر تصویر ڈائری میں رکھی۔ "چاہت کے دیے تو ہمیشہ ہی انسان کے دل میں روشن رہتے ہیں۔" اس نے پلنگ کی پشت سے ٹیک لگا کر رنجیدگی سے کہا۔

"اگر کسی دن عبداللہ بھائی سچ مچ آگئے تو....؟" مونا نے اپنا نچلا لب دبا کر خود ہی اپنی بات کا مزا لیا۔

"تو شاید میں خوشی سے مر ہی جاؤں...." عدینہ نے آہستگی سے کہہ کر اپنی آنکھیں موند لیں۔ مونا کے دل کو کچھ ہوا۔

"اللہ نہ کرے' آپ کیوں مریں' مریں آپ کے دشمن...."

"مجھے دشمنوں کے مرنے والی بات بہت عجیب لگتی ہے مونا۔" عدینہ نے پٹ سے آنکھیں کھول لیں۔

"وہ کیوں بھلا...." مونا جھٹ سے اس کی پاس آبیٹھی۔

"دشمن اگر مر جائیں تو ان کے ساتھ دشمنی نہیں' ہمدردی کا جذبہ غالب آجاتا ہے۔ موت کا احساس بہت طاقت ور ہوتا ہے تب ہی تو جن لوگوں کو ہم اپنی زندگی میں دیکھنا نہیں چاہتے ان سے نفرت کرتے ہیں' ان کی موت کی خبر سنتے ہی ساری دشمنی ساری خطائیں بھلا کر آخری دیدار کرنے پہنچ جاتے ہیں۔ اس کا مطلب ہے لوگوں کے نزدیک زندگی کے بجائے موت کی زیادہ وقعت اور اہمیت ہے۔" عدینہ افسردہ انداز سے گویا ہوئی۔

"ٹھیک کہتی ہیں آپ' جن لوگوں کی ہم زندگی میں قدر نہیں کرتے' موت کچھ لمحوں کے لیے ہی سہی ان کی اہمیت ثابت کروا ہی لیتی ہے۔" مونا بھی افسردہ ہوئی۔

"اچھا' جاؤ دیکھ کر آؤ آپا کیا کر رہی ہیں' پھر بے بے کے کمرے میں بیٹھ کر ڈرامہ دیکھتے ہیں۔" عدینہ نے اس کا موڈ بحال کرنے کے لیے بات کا رخ بدلا۔

"آپا تو کچھ دیر پہلے اسٹور کی طرف گئی تھیں۔" مونا کی اطلاع پر وہ چونک گئی۔

"فکر مت کریں' وہ پرانے بستر نکلوانے گئی تھیں دھوپ لگوانے کے لیے۔" مونا نے بہت تیزی سے اس کے دل میں ابھرنے والی سوچ کو پڑھا تھا۔

"اس دن والے واقعے کے بعد میں تو سچ پوچھو' میں بہت ڈر گئی ہوں۔" عدینہ نے صاف گوئی سے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

"آپ نے ان سے پوچھا نہیں...." مونا نے آہستگی سے پوچھا۔

"کیا پوچھتی کہ انہوں نے اپنی زندگی میں اپنی قبر پر لگوانے کے لیے کتبہ کیوں تیار کروایا۔" عدینہ کی بات پر وہ پھیکے سے انداز میں مسکرائی۔

"پوچھ لینے میں کوئی حرج بھی نہیں تھا...." مونا وقت سے پہلے سمجھ دار ہو چکی تھی۔

"ضرور پوچھتی اگر مجھے ذرہ برابر بھی گمان ہوتا کہ وہ مجھے سچ بات بتا دیں گی۔" عدینہ کی بات پر وہ لاجواب ہوئی۔

"کسی دن' ہم دونوں اسٹور کی اچھی طرح تلاشی لیں گے' یقیناً' کچھ نہ کچھ مل ہی جائے گا۔" مونا کو اس دن سے بہت زیادہ تجسس ہو رہا تھا کہ آپا نے ایسا کیوں کیا۔

"ہاں ضرور' اگر آپا نے کوئی ثبوت چھوڑا تو...." عدینہ کو ایسی کوئی خوش فہمی نہیں تھی' وہ اس سے زیادہ اپنی ماں کو جانتی تھی۔

"انسان جتنی بھی ہوشیاری سے کام لے' وہ کوئی نہ کوئی ثبوت چھوڑ ہی جاتا ہے۔" مونا اس معاملے میں پر اعتماد تھی۔

"یہ بات ہے تو آج کی رات ہی یہ کام کر گزرتے ہیں...." عدینہ نے مونا کو ہمت دلائی اور وہ تو پہلے ہی تیار بیٹھی تھی۔ پھر بھی اس نے احتیاطاً" رات آپا کو دوا

کھلاتے ہوئے ساتھ نیند کی گولی بھی زبردستی کھلادی تھی۔ اب وہ دونوں بے فکر تھیں۔

جیسے ہی گھڑی نے رات کے دس بجائے' وہ دونوں دبے قدموں کمرے سے باہر نکل آئیں۔ سخت سردیوں کے موسم میں اس وقت آدھی رات کا سماں تھا۔ آپا صالحہ اور بے بے کے کمرے میں زیرو والٹ کے بلب جل رہے تھے اور دونوں ہی گہری نیند سو رہی تھیں۔ عدینہ اور مونا دبے قدموں اسٹور میں پہنچ چکی تھیں۔

"عدینہ باجی! اسٹور کا دروازہ اندر سے بند کردوں۔" مونا نے پریشانی سے پوچھا۔

"اس کی ضرورت نہیں' آپا گہری نیند سو رہی ہیں' اور بے بے کی تو ویسے ہی نیند بڑی پکی ہے۔" عدینہ اسے دلاسا دیتی ہوئی لوہے کی زنگ آلود الماری کی جانب بڑھی۔

"آپا کے بکسے کی چابی' الماری کی دراز میں ہے۔۔۔" مونا اس گھر کی ایک ایک چیز سے باخبر تھی۔ دونوں سیل فون کی روشنی میں اسٹور کا جائزہ لے رہی تھیں اور یہ روشنی اب دونوں کو ہی ناکافی محسوس ہو رہی تھی۔

"ایسا کرو' دروازہ بند کرکے زیرو واٹ کا بلب جلادو۔۔۔" عدینہ کے کہنے پر مونا نے دروازہ جھٹ سے بند کردیا اور زیرو واٹ کی روشنی پورے کمرے میں پھیل گئی۔ آپا پچھلے کچھ عرصے سے باقاعدگی سے یہاں کی صفائی کروائی تھیں' اس لیے ہر چیز میں ترتیب اور نفاست کا عنصر نمایاں تھا۔

"عدینہ باجی یہ لیں چابی۔۔۔" مونا نے ایک زنگ آلود سی چابی اس کی جانب بڑھائی' یہ آپا کے بڑے اور سب سے پرانے بکسے کی چابی تھی۔ ٹین کی چادر کا بنا یہ ٹرنک بہت بوسیدہ اور پرانا تھا اور ان دونوں نے کبھی بھی اسے کھلتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ عدینہ نے پورا زور لگا کر اس تالے میں چابی گھمائی' وہ کھلنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ تھوڑی سی جدوجہد کے بعد یہ تالا کھل گیا۔ دونوں کے چہروں پر تجسس ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔

"عدینہ باجی' جلدی کھولیں ناں۔۔۔" مونا نے پرجوش انداز میں کہا۔

"صبر تو کرو۔۔۔" عدینہ ہلکا سا جھنجلائی' اس نے جیسے ہی ڈرتے ڈرتے بکسے کا ڈھکن اوپر کیا' گرد کا ایک طوفان سا باہر نکلا۔ ڈسٹ الرجی کی مریضہ عدینہ کو چھینکیں آنا شروع ہو گئیں۔ مونا نے بے ساختہ اس کے لبوں پر اپنا ہاتھ رکھا۔ "خدا کا خوف کریں عدینہ باجی' آپا اٹھ جائیں گی۔"

"تو میں کون سا جان بوجھ کر ایسا کر رہی ہوں۔۔۔" وہ چڑ گئی کچھ دیر بعد اس کا سانس بحال ہوا تھا' وہ اب ناک پر اپنا دوپٹہ رکھے اس بکسے میں جھانک رہی تھی' جو مختلف پرانی چیزوں سے بھرا ہوا تھا۔

"یہ بکسا تو لگتا ہے صدیوں سے کسی نے کھولا ہی نہیں۔۔۔" مونا نے الجھن بھرے انداز سے اس کے اندر جھانکا۔ بہت سی بوسیدہ تصویریں' کاغذات' فائلیں اور ایک گھر کی رجسٹری کے کاغذات پڑے ہوئے تھے' کچھ کاغذوں کو دیمک کھا گئی تھی۔

"یہ کس کی تصویر ہے۔۔۔؟" عدینہ کے ہاتھ میں ایک بوسیدہ سی تصویر تھی' جو کسی نوزائیدہ بچے کی تھی۔ اس نے پلٹ کر اس کی پشت پر دیکھا۔ جس پر بال پوائنٹ سے لکھا تھا "ام مریم"۔۔۔

"یہ ام مریم کون ہے۔۔۔؟" عدینہ نے سوالیہ نگاہوں سے مونا کی طرف دیکھا جو ایک اور تصویر کو دیکھ کر اسے پہچاننے کی کوشش کر رہی تھی۔

"عدینہ باجی' یہ تو اسی بندے کی تصویر لگ رہی ہے' جو ہمیں ایک کتاب میں سے ملی تھی۔" مونا کے الجھن بھرے انداز پر عدینہ نے جھٹ اس کے ہاتھ سے وہ تصویر لی' ایک ہینڈسم اور دراز قد نوجوان سیاہ گاؤن پر کیپ پہنے' ہاتھ میں ڈگری پکڑے کسی اسٹیج پر کھڑا تھا۔ یہ کسی کنووکیشن کی خاصی پرانی تصویر تھی۔

"ہاں لگ تو وہی رہا ہے۔۔۔" عدینہ کو اس کی آنکھوں میں موجود مخصوص قسم کی چمک سے اندازہ ہوا۔ "لیکن یہ ہے کون؟"

"آپ اسے چھوڑیں اور یہ نکاح نامہ دیکھیں' کس

کا ہے....؟" مونا کی جوش جذبات میں آواز بلند ہوئی۔ اس سے پہلے کہ عدینہ اس بات کا جواب دیتی، اسٹور کا دروازہ کھلا اور بوکھلاہٹ میں مونا کے ہاتھ سے نکاح نامہ چھوٹ کر عین آپا صالحہ کے قدموں میں جاگرا، جو شعلہ فشاں نگاہوں سے ان دونوں کو دیکھ رہی تھیں۔



"کوئی محبت کا اظہار بھی اتنے بے ہودہ طریقے سے کرتا ہے۔" شانزے کو نہ جانے کیوں ماہیر کی بات پر غصہ آئے جا رہا تھا۔ رباب کے بار بار پوچھنے پر اس نے یہ بات اسے بھی بتا دی تھی اور تب سے وہ اس کی شرارتی نظروں اور شوخ جملوں کی زد میں تھی۔

"دل کے سچے اور بات کے پکے لوگ ایسے ہی محبتوں کا اظہار کرتے ہیں۔" رباب نے اس کی طرف داری کی۔

"ہونہہ...." شانزے نے تیکھے انداز میں ناک چڑھائی۔

"چلو تم دوبارہ سے محبت کا اظہار کروا لینا...." رباب نے شوخ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"مجھے ضرورت نہیں ہے۔" اس نے بیزاری سے سر جھٹکا۔

"اب پتا چلا، وہ کیوں اس ایڈ میں کام کرنے سے منع کر رہا تھا۔" رباب نے اسے یاد دلایا۔

"تو تمہارا کیا خیال ہے کہ میں باز آجاؤں گی....؟" شانزے کے لہجے میں کچھ تھا، رباب نے الجھ کر اس کا چہرہ دیکھا۔

"تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا....؟" اسے ایک دم ہی غصہ آیا۔

"تمہیں اچھی طرح پتا ہے شوبز میں آنا، میری زندگی کا سب سے بڑا خواب ہے۔ میں ایک محبت کی خاطر اس سے کیسے دستبردار ہو سکتی ہوں۔" شانزے نے منہ بنایا۔ رباب غصے سے انگلی اٹھا کر اسے وارننگ کے انداز میں بولی۔ "تم نے مزید کوئی بے وقوفی کی تو میں حقیقتاً تمہارا منہ توڑ دوں گی۔" رباب کی بات پر شانزے ہکا بکا سی رہ گئی۔ جب کہ رباب غصے سے کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔

"اسے کیا ہوا....؟" شانزے نے پہلی دفعہ اسے، اس روپ میں دیکھا تھا اس لیے اس کی پریشانی فطری تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ اس پر مزید کوئی غور و فکر کرتی، اس کے سیل فون پر آنے والی سرمد کی کال نے اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔

"کیسے ہیں آپ....؟" شانزے نے کال اٹینڈ کرتے ہی کہا۔

"تم مجھے چھوڑو یہ بتاؤ، ماہیر کے ساتھ تمہاری صلح ہوئی...." سرمد کے خوشگوار لہجے میں کوئی شرارت چھپی ہوئی تھی۔ شانزے کو پہلی دفعہ احساس ہوا کہ وہ ماہیر کے جذبوں سے بے خبر نہیں ہے۔ اس سوچ نے اسے بے چین کر دیا تھا۔

"جی ہو گئی...." اس نے دھیمے سے کہا۔

"کیا کہا اس نے...." سرمد نے اسے چھیڑا۔

"کچھ خاص نہیں...." وہ گڑبڑائی۔ ویسے بھی وہ سرمد کا احترام کرتی تھی، اس طرح کھل کر کیسے اس کے سامنے اس بات کا اظہار کر سکتی تھی۔

"چلو یہ تو اچھا ہو گیا، یہ بتاؤ، میری ماما اور نانو تمہیں کیسی لگیں....؟" سرمد کے لہجے میں تجسس ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔

"سب لوگ اچھے تھے لیکن آپ کی نانو سے مجھے بہت اپنائیت سی محسوس ہوئی۔" شانزے نے صاف گوئی سے کہا۔

"ہاں وہ مجھے بھی بار بار کہہ رہی تھیں کہ میں تمہیں دوبارہ اپنے گھر لے کر آؤں۔" سرمد نے اسے حیران کیا۔

"تو آپ نے کیا کہا....؟" شانزے نے جھجک کر پوچھا۔

"میں نے کہا کہ اب ماہیر ہی لے کر آئے گا۔" اس کے ذو معنی انداز پر شانزے کی دھڑکنیں بے ترتیب ہوئیں۔

"ماہیر کیوں....؟" وہ بھی انجان بن گئی۔

"ظاہر ہے ایسی ہمت وہ ہی کر سکتا ہے، مجھے تو بڑے ابا سے بہت ڈر لگتا ہے' کیا پتا کسی دن تمہارے سامنے ہی بے عزت کر دیں۔" سرمد کھل کر ہنسا۔ شانزے بھی اس کی باتوں پر مسکراتے ہوئے اگلے دس منٹ تک بات کرتی رہی۔ فون بند کر کے اس نے جیسے ہی آنکھیں بند کیں۔ ماہیر کا چہرہ اس کی آنکھوں کے سامنے آ گیا۔ اس نے گھبرا کر فوراً" آنکھیں کھول لیں۔ وہ ساری رات اس نے بڑی مشکل سے کاٹی تھی' سوتے جاگتے وہ ناراض نگاہیں اس کے تعاقب میں تھیں۔ رات ڈھائی بجے وہ جھنجلا کر بیٹھ گئی' رباب نے نیند بھری آنکھوں سے اسے دیکھا۔

"تمہیں کیا ہوا ہے اس وقت...." وہ بیزاری سے گویا ہوئی۔

"مجھے لگتا ہے' مجھے بھی ماہیر تیمور سے محبت ہو گئی ہے۔" اس نے سر جھکا کر شرمندگی سے اعتراف کیا۔ رباب آنکھیں ملتے ہوئے اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"تم کہیں خواب میں تو باتیں نہیں کر رہیں۔" رباب رات کے اس پہر بھی اسے چھیڑنے سے باز نہیں آئی۔

"بکواس بند کرو' یہاں نیند کے لیے آنکھیں ترس گئی ہیں اور تمہیں چوچلے سوجھ رہے ہیں...." شانزے کے لہجے میں کوفت اور بیزاری کا عنصر نمایاں تھا۔

"ویسے تم دونوں ہو ایک جیسے...." رباب نے جمائی لیتے ہوئے اس کی معلومات میں اضافہ کیا۔

"وہ کیسے...." وہ حیران ہوئی۔

"اس نے بھی محبت کا اظہار ایسے کیا تھا جیسے لٹھ مار رہا ہو اور تم بھی جواباً" ایسے اعتراف کر رہی ہو جیسے کسی سے لیا ہوا ادھار بادل نخواستہ واپس لوٹا رہی ہو۔" رباب کے طنزیہ انداز پر شانزے کھلکھلا کر ہنسی اور ہنستی ہی چلی گئی۔ اسے پہلی دفعہ احساس ہوا' وہ واقعی کچھ معاملات میں بالکل اس کے جیسی تھی۔ تب ہی تو دونوں کی کیمسٹری اتنی جلدی میچ کر گئی تھی۔



بختاور کو ہاسٹل سے گئے پانچ دن ہو گئے تھے جب نیلم کو عام سی ڈاک میں ایک نیلے رنگ کا لفافہ موصول ہوا۔ اس پر بختاور کی لکھی تحریر وہ اچھی طرح پہچانتی تھی۔ اس نے انتہائی بے صبری سے لفافے کو کھولا تو اس کے ہاتھ میں دو کاغذ آ گئے' ایک تو بختاور اور ہاشم کا نکاح نامہ تھا اور دوسرا بختاور کا مختصر سا خط' نیلم کی نگاہیں۔ بڑی تیزی سے اس کاغذ پر لکھے حروف پر دوڑ رہی تھیں۔

پیاری نیلم....!

میں تم سے بہت زیادہ شرمندہ ہوں' نیلم ایں نے تمہیں آخری لمحے تک اندھیرے میں رکھا' لیکن میرے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا۔ زندگی میرے لیے اتنی آسان نہیں ہے' اس کا اندازہ مجھے ابھی سے ہو گیا ہے۔ میرے لیے بہت زیادہ دعا کرنا۔ میں اپنا اور ہاشم کا نکاح نامہ اس لیے بھجوا رہی ہوں کہ تم مجھے غلط نہ سمجھو اور اگر مناسب سمجھو تو اس کی ایک کاپی میرے گھر کے ایڈریس پر بھی پوسٹ کر دینا۔

تمہاری بختاور۔

"کس کا خط ہے...." نیلم کی نئی روم میٹ نایاب نے تجسس سے پوچھا۔

"میری ایک کزن کا...." نیلم نے دانستہ لاپروا انداز اپنایا۔ بختاور کے والدین اس کا باقی سامان لے گئے تھے اور جیسے ہی اس کا کمرہ خالی ہوا تھا وارڈن نے فوراً" سوشیالوجی کی نایاب کو اس کے کمرے میں بھجوا دیا تھا۔

"تمہاری فرینڈ بختاور کا کچھ پتا چلا....؟" نایاب نے اچانک ہی اس سے پوچھا' وہ ہلکا سا گڑبڑا سی گئی۔

"بتایا تو تھا میں نے وہ اپنی آنٹی کے گھر سرگودھا میں رہ رہی ہے۔" نیلم نے بختاور کا خط احتیاط سے اپنی فائل میں رکھتے ہوئے اسے یاد دلایا۔

"ایگزام دے گی کہ نہیں....؟" نایاب کو نہ جانے کیوں یقین نہیں آیا' ویسے بھی بختاور کے بارے میں اس ہاسٹل میں ابھی تک کئی کہانیاں گردش کر رہی تھیں اور نیلم کو سب سے زیادہ حیرت اس کا نام ہاشم کے ساتھ لیے جانے پر ہوئی تھی۔ اسے پہلی دفعہ

احساس ہوا تھا کہ لوگ اتنے بھی بے خبر اور بے وقوف نہیں ہوتے۔
"پتا نہیں...." نیلم نے مختصراً" جواب دے کر الماری سے استری کرنے کے لیے اپنے کپڑے نکالے۔
"میں نے تو سنا ہے اس نے کمپیوٹر سائنسز کے ہاشم کے ساتھ کورٹ میرج کرلی ہے' وہ بھی تو آج کل کیمپس میں نظر نہیں آرہا۔" نایاب کی رپورٹ خاصی پکی تھی۔
"وہ کیسے نظر آئے گا یار' اس کے امتحان ہو چکے' اب تو رزلٹ آنے والا ہے۔" نیلم کے لہجے میں بیزاری تھی۔ جیسے وہ اس ٹاپک پر بات کرنا نہ چاہ رہی ہو۔
"تو شادی والی بات جھوٹ ہے کیا....؟" نایاب کو خاصی مایوسی ہوئی۔
"ہاں...." نیلم نے اس فائل کو اپنے بیگ میں احتیاط سے رکھتے ہوئے جھوٹ بولا' جس میں بختاور اور ہاشم کا نکاح نامہ موجود تھا۔
فائل رکھنے کے بعد اس نے بیگ کو تالا لگایا اور اسے چارپائی کے نیچے دھکیل دیا۔ ساری رات وہ بختاور کو دلہن اور ہاشم کو دولہا کے روپ میں دیکھتی رہی۔ صبح فجر کی نماز پڑھتے ہوئے اس نے خصوصی طور پر دونوں کے لیے دعا کی تھی کہ اللہ انہیں آسانیاں دے۔



دوسری طرف کراچی میں ہاشم اور بختاور کے لیے مشکلات کا آغاز ہو چکا تھا۔ ہاشم کی کل آمدنی اس کی دکانوں کا کرایہ تھا' جو اس کے اکاؤنٹ میں جمع ہو جاتا تھا۔ فی الحال وہ بیروزگار تھا اور اپنی کمپیوٹر سائنسز کی ڈگری کے انتظار میں تھا۔
"گھر کا کچھ بنا....؟" اس دن وہ تھکا ہارا صفدر کے ساتھ گھر لوٹا تو بختاور نے جھجک کر اس سے پوچھا۔ جوں جوں دن گزر رہے تھے' دونوں کی پریشانی بڑھتی ہی جا رہی تھی کیونکہ صفدر کی بیوی کسی دن بھی لوٹ کر آ سکتی تھی۔
"جو گھر اچھے علاقوں میں ہیں' ان کا کرایہ ہی بہت زیادہ ہے...." ہاشم نے آلو شوربے کے سالن کے ساتھ روٹی کھاتے ہوئے سنجیدگی سے جواب دیا۔
"پھر ہمیں کہیں کوئی گھر دیکھ لیں...." بختاور نے ایک سرد آہ بھر کر مشورہ دیا۔
"یہ علاقہ تو تمہیں پسند نہیں...." ہاشم نے افسردگی سے اسے یاد دلایا' وہ اپنی طرف سے بختاور کو خوش کرنے کی ہر ممکن کوشش کر رہا تھا لیکن معاشی حالات منہ کھولے دونوں کی خوشیاں نگلنے کو تیار تھے۔
"ہر چیز انسان کو اپنی پسند کے مطابق تھوڑا ملتی ہے...." بختاور نے آہستہ آہستہ حالات سے سمجھوتہ کرنا سیکھ لیا تھا۔
"میں تم سے بہت زیادہ شرمندہ ہوں بختاور...." ہاشم نے کھانے کی پلیٹ ہاتھ سے پرے کر دی.... بختاور ایک دم ہی پریشان ہو گئی۔
"مشکل وقت ہمیشہ تھوڑی رہتا ہے' ان شاءاللہ یہ وقت بھی گزر ہی جائے گا۔" بختاور نے اسے حوصلہ دیا۔ "آپ کھانا کھائیں پلیز' صبح سے گھر سے نکلے ہوئے ہیں۔"
"مشکلات کا عرصہ کتنا ہی مختصر کیوں نہ ہو' اسے کاٹنا اتنا آسان نہیں ہوتا۔" ہاشم نے ست انداز میں نوالہ توڑا۔
"آپ ابھی سے ہمت ہار رہے ہیں...." بختاور نے محبت اور نرمی سے اس کا ہاتھ پکڑا۔
"ہاں اور پتا ہے کیوں....؟" ہاشم کی بات پر اس نے نفی میں سر ہلایا۔
"ایک ہفتے میں تمہارے چہرے کی ساری ترو تازگی کہیں کھو گئی ہے' مجھے معلوم ہے تم اس گھر میں کمفرٹیبل نہیں ہو' یہ احساس میرے لیے بہت تکلیف دہ ہے۔" ہاشم نے ٹرے ایک طرف رکھی اور لیٹ گیا۔
"ایسی کوئی بات نہیں ہے ہاشم' میں چاہتی ہوں' چاہے ایک کمرے کا سہی' اپنا گھر ہو' جہاں میں آزادی

سے گھوم پھر سکوں۔" بختاور نے پہلی دفعہ کھل کر اپنے جذبات کا اظہار کیا تو وہ پھیکے سے انداز میں مسکرا دیا' وہ جانتا تھا کہ بختاور' صفدر کی بیگم سے خائف تھی جو کسی بھی دن واپس آسکتی تھی۔

"ایک گھر آج دیکھا ہے لیکن وہ ایڈوانس بہت زیادہ مانگ رہا ہے' ہو سکتا ہے کل اس سے مذاکرات ہو جائیں تو ان شاء اللہ ہم لوگ پرسوں وہاں شفٹ ہو جائیں گے۔" ہاشم نے اسے تسلی دی تو وہ مسکرا دی۔

"اچھا ایک کپ چائے کا تو بنا دو۔۔۔" ہاشم کی فرمائش پر بختاور جلدی سے اٹھ کر کچن کی جانب آگئی۔ پندرہ بیس منٹ بعد وہ واپس آئی تو ہاشم اپنے پیٹ کے ایک جانب ہاتھ رکھے تکلیف کے احساس سے دہرا ہو رہا تھا۔

"کیا ہوا آپ کو؟ ابھی کچھ دیر پہلے تو بالکل ٹھیک تھے۔" بختاور ایک دم گھبرا گئی۔ اس نے چائے کا کپ ایک طرف رکھا اور جلدی سے ہاشم کے قریب آئی۔

"لگتا ہے گردے میں درد ہو رہا ہے۔۔۔" اس کی درد سے لبریز آواز پر بختاور ایک دم پریشان ہو گئی۔ "کیا پہلے بھی ہوتا تھا؟"

"ہاں کبھی کبھار۔۔۔" وہ بمشکل بول رہا تھا۔

"میں صفدر بھائی کو بلا کر لاتی ہوں' یہاں پاس ہی تو جناح ہسپتال ہے' وہاں چلتے ہیں۔" بختاور کو اس کا زرد چہرہ دیکھ کر ہول اٹھ رہے تھے۔

"نہیں' بس رہنے دو' میرے بیگ میں ایک پین کلر پڑی ہے' وہ دے دو۔" ہاشم نے فوراً" ہی اسے منع کیا۔ ٹیبلٹ کھا کر وہ لیٹ گیا تھا اور بیس پچیس منٹ کے بعد جا کر اسے کچھ سکون آیا تھا۔

"ایکچوئلی میری کڈنی میں ایک دو اسٹون ہیں' جو کبھی کبھار تکلیف کا باعث بن جاتے ہیں۔" ہاشم نے اس کے ہاتھ کی پشت کو سہلاتے ہوئے اسے مطمئن کیا' وہ بہت زیادہ ڈر گئی تھی' لیکن اس سے بھی زیادہ وہ شام کو صفدر بھائی کی بیوی کے اچانک آنے پر خوفزدہ ہوئی تھی۔

بھاری جسامت اور گہری سانولی رنگت کی حامل وہ خاتون شکل سے ہی تیز طرار لگ رہی تھیں۔ بظاہر وہ اپنے میاں کے سامنے اس سے خوشدلی سے ملی تھیں۔ ان کے تینوں بچوں نے پورے گھر میں ایک طوفان بدتمیزی برپا کر دیا تھا۔ وہ ہاشم کے ٹرالی بیگ کو جھولا بنائے ادھر ادھر گھما رہے تھے۔ صفدر نے ان دونوں کو دوسرے کمرے میں منتقل کر دیا تھا' جہاں دو جھلنگا سی چارپائیاں اور ایک میلی سی چٹائی پڑی تھی۔

"آخر کتنے دن سر پر سوار رہیں گے یہ شہزادہ سلیم اور انار کلی۔۔۔؟" رات ہوتے ہی صفدر صاحب کی بیگم رخسانہ پھٹ پڑیں۔ دونوں کمروں کے درمیان میں ایک کھڑکی تھی' جس کا ایک پٹ ٹوٹا ہوا تھا اور رات کی خاموشی میں صفدر صاحب اور ان کی بیگم کی آواز ان کی سماعتوں تک بالکل صاف پہنچ رہی تھی۔

ہاشم نے دوسری چارپائی پر لیٹے ہوئے بے ساختہ ہی بختاور سے نظریں چرائیں۔ جو شام سے رخسانہ کے بیزار انداز پر پریشان تھی۔ اس نے آج رات کا کھانا بھی ڈھنگ سے نہیں کھایا تھا کیونکہ رخسانہ بھابھی جب سے گھر واپس آئی تھیں' مہنگائی کا ہی رونا روئے جا رہی تھیں۔

"ادھر تو اپنا ہی پورا نہیں پڑتا' اوپر سے مہمان لا کر سر پر بٹھا دیے ہیں۔" وہ تلخ لہجے میں بڑبڑائیں۔

"آہستہ بکواس کرو' تمہاری پھٹے ہوئے ڈھول جیسی آواز دوسرے کمرے میں چلی جائے گی۔" صفدر نے ناراضی سے اپنی بیوی کو ٹوکا۔

"جاتی ہے تو جائے' میں کون سا کسی سے ڈرتی ہوں۔" بیوی نے بدتمیزی سے جواب دیا۔

"چپ کرتی ہو یا اٹھ کر لگاؤں ایک۔ آخر مسئلہ کیا ہے تمہارے ساتھ۔" صفدر کو بھی غصہ آگیا۔

"دونوں نے شام سے کمرے کی لائیٹ جلا رکھی ہے' بل ان کا باپ دے گا کیا۔۔۔" وہ خاصی بدلحاظ عورت تھی۔

"تمہیں کہا ناں' اپنا والیوم کم رکھو۔۔۔" صفدر جھنجلا کر بولا۔

"کہیں بھاگ واگ کر تو شادی نہیں کی انہوں نے'

کل کو کوئی پولیس کچہری کا چکر نہ شروع ہو جائے ہمارے ساتھ ۔" رخسانہ نے اس دفعہ پہلے سے نسبتاً" دھیمے لہجے میں پوچھا تھا لیکن آواز اتنی بھی کم نہ تھی کہ بالکل ساتھ والے کمرے میں بختاور اور ہاشم تک نہ پہنچتی۔

"ایسا کچھ نہیں ہے۔" صفدر نے جھوٹ بولا' ورنہ وہ تو ساری بات جانتا تھا۔

"تم بھی اپنا منہ سیدھا ہی رکھنا بختاور بھابھی کے ساتھ 'کیونکہ ہاشم کے بہت احسانات ہیں مجھ پر۔" صفدر صاحب نے اس دفعہ ذرا التجائیہ انداز اپنایا۔

"اچھا اچھا' جتنی جلدی ہو سکے' انہیں اپنے گھر میں منتقل کرو' مہنگائی کے اس دور میں مہمان رکھنا کوئی آسان کام تھوڑی ہے۔" رخسانہ کی بات نے ان دونوں کو ہی شرمندہ کیا۔

بختاور نے بے اختیار ہاشم کی طرف دیکھا' اس کی آنکھ میں ایک خاموش دلاسا تھا۔ دونوں کے درمیان ایک بھید بھری خاموشی کا دورانیہ چل رہا تھا۔ بختاور کے دماغ میں نہ جانے کن کن سوچوں نے بسیرا کر رکھا تھا' وہ ان سے لڑتے لڑتے سو گئی تھی' رات کا نہ جانے وہ کون سا پہر تھا جب اس کی آواز ہاشم کے کراہنے سے کھلی' اس کی چھٹی حس نے اسے خبردار کیا تھا۔ وہ گھبرا کر ہاشم کے پاس پہنچی' اسے ایک دفعہ پھر گردے میں تکلیف شروع ہو چکی تھی۔ بختاور کے ہاتھ پیر پھول گئے اور آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔

"صفدر بھائی کو اٹھاؤ' ہمیں ہسپتال جانا ہو گا...." ہاشم کے منہ سے ٹوٹ ٹوٹ کر نکلنے والے الفاظ نے بختاور کے اندر پارہ بھر دیا تھا۔

اس نے جھجکتے ہوئے ساتھ والے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا تھا۔ صفدر بھائی کے جاگنے اور ہاشم کو ہسپتال لے جانے کے دوران اس نے رخسانہ بھابھی کی آنکھوں میں واضح بیزاری دیکھ لی تھی۔ وہ نیند خراب ہو جانے کی وجہ سے کوفت کا شکار تھیں۔

بختاور ایک گھنٹے کے بعد صفدر بھائی کے ساتھ جناح ہسپتال پہنچی' جہاں ایمرجنسی میں ساری رات گزارنے کے بعد ہاشم کی حالت خاصی بہتر ہو گئی تھی۔ ڈاکٹرز نے الٹراساؤنڈ کر کے بتا دیا تھا کہ اس کے گردے میں موجود پتھریوں کا سائز خاصا بڑا تھا اور انہیں اینڈو یورالوجی کروانے کا بھی مشورہ دے دیا تھا۔ جسے سن کر وہ کچھ پریشان ہو گئے تھے۔

صبح جیسے ہی سینئر ڈاکٹرز کا راؤنڈ شروع ہوا۔ ہاشم کی طبیعت بہت بہتر ہو چکی تھی۔ اس لیے صفدر بھائی مطمئن ہو کر ناشتہ کرنے کے لیے گھر چلے گئے' انہوں نے بختاور کو بھی ساتھ چلنے کی دعوت دی تھی' لیکن بختاور ایک منٹ کے لیے بھی ہاشم کو اکیلا نہیں چھوڑنا چاہتی تھی۔

"آپ ڈاکٹر حماد کی بھتیجی ہیں ناں' بختاور....؟" بختاور جو کہ ہاشم کی طرف متوجہ تھی۔ اس نے ایک دم بوکھلا کر اپنے سامنے کھڑے ڈاکٹر ظہیر کو دیکھا۔ وہ ان کو پہچان چکی تھی' اس لیے بوکھلاہٹ اس کے چہرے پر نمایاں تھی۔

"آپ تو پنڈی میں نہیں ہوتے تھے بھلا....؟" اس کا دل ایک دم ہی پریشان ہوا۔

"جی بیٹا' ابھی پچھلے سال میری یہاں پوسٹنگ ہوئی ہے' یہ آپ کے ہسبنڈ ہیں کیا؟" وہ اسے دیکھ کر خاصے خوش ہوئے' ڈاکٹر ظہیر اس کے چچا کے بیسٹ فرینڈ تھے اور ان کے ہاں بھی خوب آنا جانا تھا۔ آج اتفاق سے بختاور کا ان سے سامنا ہو گیا تھا اور وہ اب دل ہی دل میں خوب پریشان ہو رہی تھی۔

"جی....!" اس نے نظریں چرا کر کہا۔

"بہت بے مروت نکلا حماد' بھتیجی کی شادی میں بلایا ہی نہیں' آج ہی اس کی خبر لیتا ہوں۔" ڈاکٹر ظہیر کی بات پر بختاور نے بوکھلا کر ہاشم کی طرف دیکھا جو اس بات پر خود بھی خاصا بے چین دکھائی دے رہا تھا۔ دونوں کو لگ رہا تھا کہ وہ خاصے برے پھنس چکے ہیں۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)